ماہنامہ
برجستہ
بانی: غلام حیدر شیخ
چیف ایڈیٹر:
اویس حیدر شیخ
لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت
ONLINE EDITION
VOLUME: 4 | ISSUE 55 | SEPT. 2026

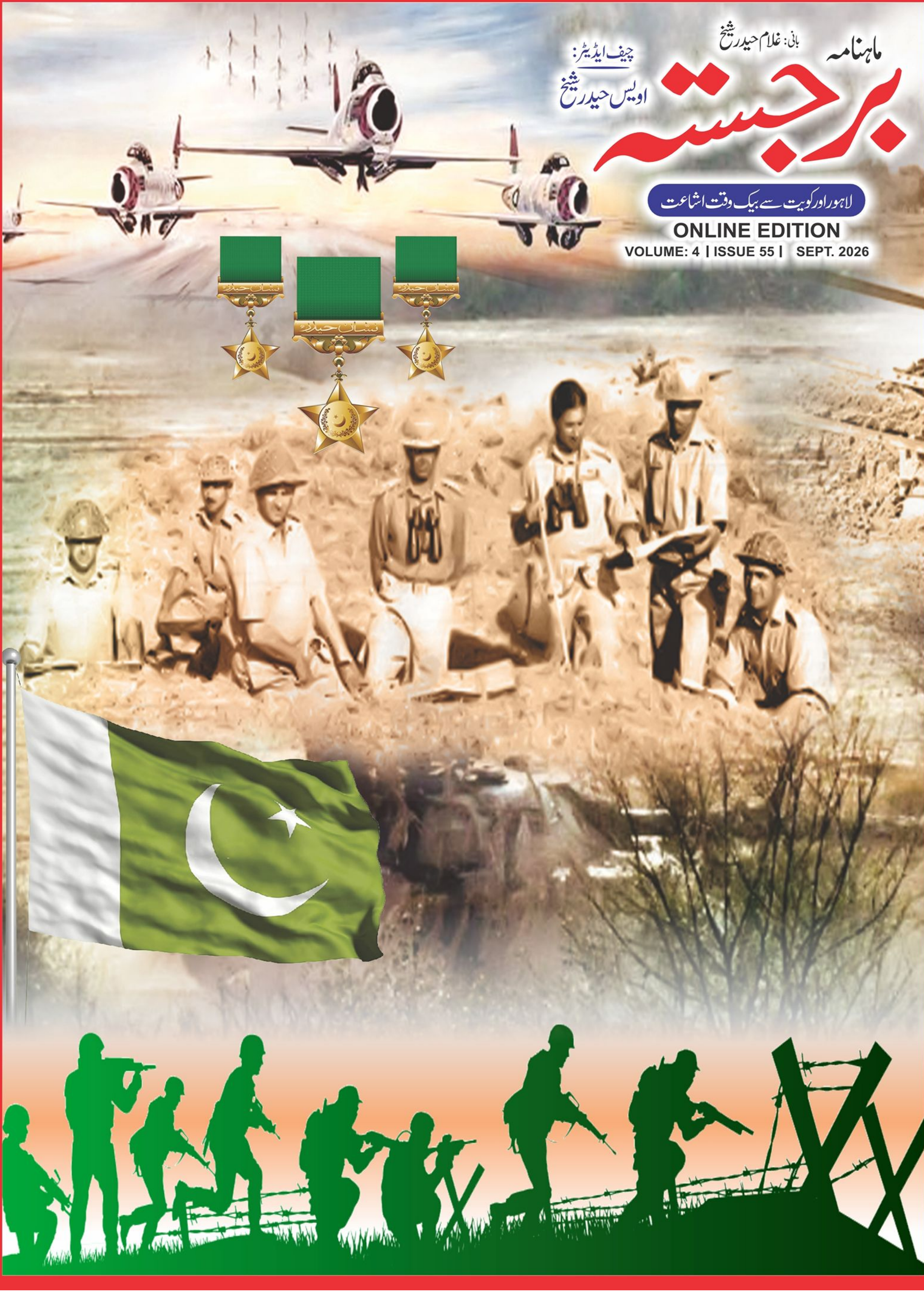

ISSN # : 3080-9746

ماہنامہ

برجستہ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

سرورق		فرنٹ
اشتہار		صفحہ 2
فہرست		صفحہ 3
اِداریہ	دفاعی معاہدہ جونیٹو طرز پر تشکیل دیا جانے کا اِمکان	صفحہ 4
کالم ومضامین	مولانا، خبر لیجیے ''ذہن بگڑا''	صفحہ 5
کالم ومضامین	''بتوں سے تجھ کو اُمیدیں	صفحہ 6-7
کالم ومضامین	دھوکہ، خوف اور مجبوری کا کھیل	صفحہ 8
کالم ومضامین	دِینارِ اُلفت۔۔۔کہاوتیں کویت کی	صفحہ 9
کالم ومضامین	رزقِ حلال اور قناعت: اُسوۂ حسنہ کے تابناک نقوش اور احیائے ملت کی راہ	صفحہ 10
کالم ومضامین	14 اگست۔۔۔تجدیدِ عہد کا دِن	صفحہ 11-12
کالم ومضامین	اینڈی برنہم نے سنبھالی برطانیہ کی قیادت	صفحہ 13-14
اشتہار		صفحہ 15
کالم ومضامین	اعتبار۔۔۔	صفحہ 16
کالم ومضامین	علمی وتہذیبی ورثہ کا تحفظ ہماری قومی ذمہ داری ہے	صفحہ 17-18
خصوصی رپورٹ	سابق ڈائریکٹر بزمِ اِقبال۔۔۔ڈاکٹر تحسین فراقی کے اعزاز میں الوداعی تقریب: روداد	صفحہ 19-20
کویت ڈائری	سفارتخانہ کا کویت میں پہلے پاکستان فروٹ ویک کا شاندار افتتاح	صفحہ 21
کویت ڈائری	پیپلز پارٹی رہنما عتیق عدنان کی تیسری برسی	صفحہ 22
انقرہ ڈائری	حجاب کی جیت۔۔۔امینہ ایردوآن کا سفرِ عزت	صفحہ 23-24
ایک شاعر ایک تعارف	حسیم جاوید	صفحہ 25
طب وسائنس	صحت مند عمل استحالہ (میٹابولزم) کے فوائد	صفحہ 26
دینِ حق	قرآن وحدیث کی روشنی میں شہید کا مقام	صفحہ 27-28
بچوں کی کہانیاں	ہاتھیوں کا گاؤں	صفحہ 29
کھیل کھلاڑی	پاکستانی کرکٹ کے حقیقی سپر سٹارز	صفحہ 30
فلمی دُنیا	بالی ووڈ اور لالی ووڈ میں رشتوں کی ایک انوکھی کہانی	صفحہ 31
اشتہار		صفحہ 32

اشتہارات کے لئے رابطہ کریں

+965-6600-6571
FOR KUWAIT

+92-322-5300-703
FOR PAKISTAN

ISSN # : 3080-9746

بانی: غلام حیدر شیخ

ماہنامہ
برجستہ
چیف ایڈیٹر: اویس حیدر شیخ

لاہور اور کویت سے بیک وقت اشاعت

ہماری ٹیم

ایگزیکٹو ایڈیٹر: علی حیدر شیخ
ایڈیٹر: اصغر علی کھوکھر
مینیجنگ ایڈیٹر: عدیل احمد خان
ڈپٹی ایڈیٹر: عائشہ خان
ریزیڈنٹ ایڈیٹر جدہ: امیر محمد خان
لیڈی ایڈیٹر (یو۔کے): ڈاکٹر رابعہ حیدر
ایڈیٹر کویت: محمد عمر
فوٹو گرافر: ذوالقرنین حیدر
مارکیٹنگ اینڈ سرکولیشن: معیز احمد

پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ میں بہتری

عالمی ریٹنگ ایجنسی موڈیز نے پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ سی اے اے ون سے بڑھا کر بی تھری کر دی ہے۔ موڈیز کے مطابق درجہ بندی میں اس پیش رفت کی وجوہات میں بہتر گورننس، زرِ مبادلہ کے ذخائر کا مضبوط ہونا اور مقامی قرض لینے کی لاگت میں کمی کے علاوہ پاکستان میں مسلسل میکرو اکنامک استحکام شامل ہے۔ واضح رہے تقریباً 12 ماہ میں موڈیز کی درجہ بندی میں پاکستان کی پوزیشن دو درجے بہتر ہوئی ہے۔ وزیر اعظم شہباز شریف نے موڈیز کی طرف سے پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ بہتر ہونے کا خیر مقدم کیا اور قوم کو مبارکباد بھی دی۔ اُنہوں نے نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ سینیٹر اسحاق ڈار، چیف آف ڈیفنس فورسز فیلڈ مارشل عاصم منیر اور وزیر خزانہ محمد اورنگزیب کے ساتھ ساتھ تمام متعلقہ وزراء اور حکام کی کاوشوں کو سراہا۔ وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں اور ریٹنگ ایجنسیوں کی جانب سے پاکستان کی معاشی صورتِ حال میں مثبت پیش رفت کا اعتراف، دراصل حکومتی معاشی پالیسیوں اور اصلاحات پر بڑھتے ہوئے عالمی اعتماد کی عکاسی کرتا ہے۔ وزیر اعظم نے یہ بھی کہا کہ حکومت نے معیشت کو مستحکم کرنے اور بیرونی شعبے میں بہتری کے لئے مؤثر اقدامات کیے، معاشی استحکام کے لئے حکومت کی مسلسل محنت اور اصلاحات کے نتیجے میں عالمی اداروں کا پاکستان پر اعتماد بڑھ رہا ہے۔ ملکی معیشت کو پائیدار بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے حکومت اصلاحات کا عمل مزید تیز کرے گی۔ شہباز شریف نے کہا کہ اُن کی منزل پاکستان کو ایک مضبوط، خود کفیل اور پائیدار معیشت بنانا ہے۔

واضح رہے کہ موڈیز نے 2023ء میں معاشی حالات میں شدید خرابی کے باعث پاکستان کی 2022ء کی ریٹنگ منفی سی اے اے ون سے کم کر کے سی اے اے تھری کر دی تھی جو گزشتہ تین دہائیوں کی سب سے کم ریٹنگ تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب پاکستان دیوالیہ پن کے دہانے پر تھا، پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کی حکومت تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ختم ہو گئی تھی۔ اپریل 2022ء میں جب پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (پی ڈی ایم) کے امیدوار شہباز شریف نے حکومت سنبھالی تو ملک کے معاشی حالات دِگرگوں تھے۔ اس دورِ حکومت میں معیشت میں بہتری کے لئے سخت فیصلے کیے گئے جس کی وجہ سے ملک دیوالیہ ہونے سے بچ گیا۔ معیشت کی بحالی کا یہ سفر وزیر اعظم شہباز شریف اور اُن کی معاشی ٹیم نے 2024ء میں دوبارہ اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی جاری رکھا، ملک بتدریج معاشی استحکام کی جانب بڑھتا رہا اور اب کریڈٹ ریٹنگ اُس سطح پر واپس آ چکی ہے جہاں 2015ء سے 2022ء کے دوران تھی۔ واضح رہے کہ اس کریڈٹ ریٹنگ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ملک کے معاشی معاملات بالکل درست ہو گئے ہیں بلکہ اب یہ کم از کم وینٹی لیٹر پر نہیں ہے۔ پاکستان نے سی اے اے تھری سے بی تھری تک کا سفر تو طے کر لیا ہے لیکن یہاں سے ٹرپل اے تک پہنچنا انتہائی کٹھن ہے لیکن ایسا نہیں کہ یہ ہدف ناممکن ہے۔ دنیا کے صرف چند ممالک کو بین الاقوامی ریٹنگ ایجنسیوں کی اعلیٰ ترین کریڈٹ ریٹنگ حاصل ہے۔ اگرچہ امریکہ اور چین سمیت بعض بڑی معیشتوں کی ریٹنگ بڑھتے ہوئے قرضوں اور مالیاتی دباؤ کے باعث اعلیٰ ترین درجے پر نہیں، تاہم اُن کی موجودہ کریڈٹ ریٹنگ اب بھی پاکستان کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ پاکستان کی ریٹنگ میں حالیہ بہتری خوش آئند ضرور ہے، لیکن اسے سرمایہ کاری کے لئے محفوظ درجے تک پہنچنے کے لئے ابھی طویل سفر طے کرنا ہے۔ کرنٹ اکاؤنٹ سمیت بعض معاشی اشاریوں پر امریکہ ایران جنگ کا شدید دباؤ ہے، اُن میں سے چند ایک متاثر بھی ہوئے ہیں لیکن چونکہ حکومتی معاشی ٹیم سخت نظم قائم رکھے ہوئے ہے اور زیادہ تر اشاریے تاحال قابو میں ہیں اِس لئے اُمید کی جاسکتی ہے اِس کے بہت زیادہ منفی اثرات معیشت پر نہیں پڑیں گے۔ حالیہ کریڈٹ ریٹنگ سے بین الاقوامی اداروں اور سرمایہ کاروں کا پاکستانی معیشت پر اعتماد بحال ہو گا۔ ملک میں سرمایہ کاری لانے کے لئے ضروری ہے کہ یہاں سازگار ماحول مہیا کیا جائے جو دہشت گردی کے خاتمے کے علاوہ طویل مدتی پالیسیوں اور داخلی استحکام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہت سے تکنیکی مسائل کے علاوہ پاکستان کا ایک بڑا مسئلہ ملک میں جاری سیاسی محاذ آرائی بھی ہے۔ وہ ملک معاشی طور پر ترقی نہیں کر سکتا جہاں سیاسی استحکام ہی نہ ہو، اِس لئے لازم ہے کہ داخلی اور سیاسی مسائل کو حل کیا جائے۔ خصوصاً جب پاکستان ایک جانب دہشت گردی کے خلاف برسرِ پیکار ہے اور دوسری جانب اپنے سے کئی گنا بڑے روایتی حریف بھارت کے مذموم عزائم کا مقابلہ کر رہا ہے، تو ملک میں بے یقینی اور عدم اعتماد پیدا کرنے سے مسائل مزید گھمبیر ہو جائیں گے۔ ایران کی بقاء میں داخلی اتحاد کا بہت بڑا ہاتھ ہے، یہاں بھی اہل سیاست کا ملک کے وسیع ترین مفاد میں متحد ہونا ضروری ہے۔ اپوزیشن جماعتیں بالآخر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو گئی ہیں، وہ حکومت کو آڑے ہاتھوں لینا چاہتی ہیں لیکن اُس کے لئے سڑکوں، چوک اور چوراہوں کے بجائے پارلیمنٹ میں بیٹھ کر بات کرنی چاہئے۔ حکومت اور اپوزیشن نظام کے دو ایسے پہیے ہیں جن کے درمیان توازن اور باہمی احترام ہی سے جمہوریت کی گاڑی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اپوزیشن کا بنیادی کردار پارلیمان کے اندر رہتے ہوئے حکومت کی مؤثر نگرانی، تعمیری تنقید اور قومی اہمیت کے معاملات میں تعاون کرنا ہے۔ پی ٹی آئی ملک کی سب سے بڑی اپوزیشن جماعت ہے، اس لئے اسے پارلیمان کی قائمہ اور دیگر کمیٹیوں میں واپس آ کر اپنی آئینی و جمہوری ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں۔ یہی راستہ جمہوریت کو مضبوط بنانے، سیاسی بے یقینی ختم کرنے اور داخلی استحکام پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حکومت اور اپوزیشن باہمی اختلافات سے بالاتر ہو کر کام کریں تو نہ صرف دہشت گردی کے ناسور کا زیادہ مؤثر انداز میں مقابلہ کیا جاسکتا ہے بلکہ سیاسی استحکام کے ذریعے معاشی استحکام کی بنیاد بھی مضبوط بنائی جاسکتی ہے۔ موجودہ حکومت اپنی آئینی مدت کا تقریباً نصف حصہ مکمل کر چکی ہے اور باقی مدت بھی بالآخر گزر جائے گی۔ لہٰذا اپوزیشن جماعتوں کو اپنی توانائیاں محاذ آرائی کے بجائے آئندہ انتخابات کی تیاری اور عوام کے سامنے ایک مؤثر متبادل پیش کرنے پر صرف کرنی چاہئیں۔ حکومت کی کارکردگی کا حتمی فیصلہ عوام پر چھوڑ دینا ہی جمہوری طرزِ عمل ہے؛ وقت آنے پر عوام اپنے ووٹ کے ذریعے فیصلہ دے دیں گے۔

ISSN # : 3080-9746

شاہ زمان کی زندگی میں منفی اثرات اور اس کا بدلتا ہوا کردار

حفیظ اللہ خان

گزشتہ سے پیوستہ

شاہ زمان کی زندگی میں منفی اثرات اور اس کا بدلتا ہوا کردار:

شاہ زمان کا بچپن ایک خوشگوار اور بے فکری کی حالت میں گزرا تھا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ کھیلتا، مذاق کرتا اور زندگی کی سادہ خوشیوں میں محو رہتا تھا۔لیکن وقت نے اس کی دنیا کو یکسر بدل دیا۔ جب وہ 15-16 سال کو پہنچا تو اس میں ایک نیا اعتماد پیدا ہوا مگر یہ اعتماد مثبت نہیں بلکہ منفی سمت میں بڑھا تھا۔

اب وہ رات بھر Pubg گیم کھیلتا تھا شاہ زمان کے ہاتھ میں جو موبائل فون آیا وہ اس کی زندگی کی ایک بڑی تبدیلی کا آغاز تھا وہ فون جو پہلے صرف امراء کے ساتھ نظر آتا تھا اب اس کی زندگی کا مرکز بن چکا تھا۔ یہ فون اسے ایک ایسی دنیا میں لے آیا جس سے ہم سب ناواقف تھے ایک ایسی دنیا جہاں بے راہ روی، غیر اخلاقی تعلقات اور غیر مناسب مواد کی بھرمار تھی۔

شاہ زمان کا اٹھنا بیٹھنا ان لوگوں کے ساتھ ہونے لگا تھا جن کا کردار شریف معیار کے مطابق نہیں تھا۔ وہ لوگ جو نہ صرف اخلاقی طور پر کمزور تھے بلکہ ان کی صحبت میں آ کر شاہ زمان نے اپنی شخصیت میں بھی زہر گھول لیا تھا۔ وہ والدین سے چھپ کر ان لوگوں کے ساتھ وقت گزارتا اور واپس آ کر گھر والوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن والدین جانتے تھے کہ یہ سب کچھ ہمارے لیے ایک سرخ بتی ہے۔

شاہ زمان کی زندگی میں ایک ایسی تبدیلی آ چکی تھی جو والدین کے لیے واضح طور پر پریشانی کا باعث تھی۔ جب وہ اپنے موبائل فون کے ذریعے والدین کو اس کا راز بتائے بغیر اپنی دنیا میں غرق ہوتا تو سب پریشان ہو جاتے کہ اس کا رویہ غیر معمولی کیوں ہو رہا ہے۔ وہ ہم سے بات کرتے ہوئے عجیب سا رویہ اپناتا تھا۔ ابو اسے روزانہ پچاس یا سو روپے جیب خرچ دیتے لیکن یہ رقم کبھی کافی نہیں ہوتی تھی۔

بہت جلد والدہ نے محسوس کی کہ شاہ زمان کے پاس ہزاروں کے کڑک نوٹ ہوتے ہیں اور یہ پیسے اس نے کہاں سے حاصل کیے تھے یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

جب امی نے اس سے پوچھا تمھارے پاس یہ اتنی زیادہ رقم اور اتنے قیمتی فون کہاں سے آتے ہیں؟؟ تو اس کا جواب غیر متوقع تھا اس نے نہ صرف غصے سے جواب دیا بلکہ امی کو شک کرنے والی بات پر بھی اعتراض کیا۔ "آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں؟" شاہ زمان کا یہ جواب والدین کے دل میں ایک گہری تشویش کا بیج بو گیا۔ گھر والوں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں وہ سادہ محبت نہیں رہی تھی جو ہم بچپن میں اس میں دیکھتے تھے۔ اب اس کے اندر ایک نئی دنیا کی جستجو تھی ایک ایسی دنیا جس میں وہ اپنے اندر کے غصے اور خواہشات کی تسکین حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ دوستوں کے

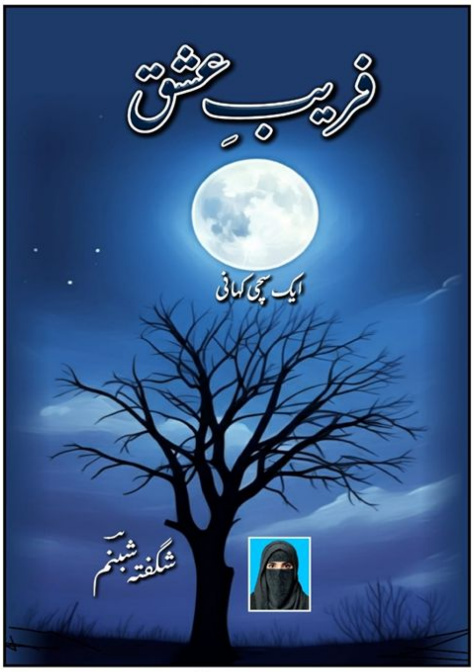

ساتھ جا کر ہوٹلوں میں حقہ پیتا تھا کبھی کبھار محلے دار والد سے شکایت کرتے کہ شاہ زمان ایک مرسڈیز اور بی ایم ڈبلیو گاڑی میں اجنبی لوگوں کے ساتھ سفر کرتے دیکھا گیا تھا جب بھی آئی فون کا نیا ماڈل آتا تو سب سے پہلے شاہ زمان کے ہاتھ میں ہوتا۔

یہ تبدیلیاں صرف ہماری گھریلوں زندگی کو ہی متاثر نہیں کر رہی تھیں بلکہ اس کے مستقبل کے حوالے سے بھی والدین کو شدید خدشات پیدا ہو چکے تھے۔ شاہ زمان کا سکول جانے کا ارادہ کم ہوتا جا رہا تھا اور وہ زیادہ تر وقت فون پر گزارنے لگا تھا۔ کمرے میں اپنے لئے میک اپ کی پوری دکان سجائی ہوئی تھی لمبے بال رکھے تھے۔ بالوں کو خواتین کی بلیچ کریم سے رنگ کرتے۔ پیچھے سے اگر کوئی دیکھ لیتا تو کسی مونث کا گمان کرتا کیونکہ اس کا قطع وضع نسوانی لگتا اور لیڈیز کلر Fit جسم سے چمٹے کپڑے پہنتے تھے جس میں تمام اندام واضع نظر آتے تھے دوستوں کے ساتھ سلفیاں لینا اور ٹک ٹاک اکاؤنٹ پر بے ہودہ شاعری کے گانوں کے ساتھ ہونٹ ہلاتے ویڈیوز اپلوڈ کرنا اِن کا مشغلہ بن چکا تھا ان غیر ضروری، نامناسب تعلقات کی بنا پر اس کا ذہن اس قدر منتشر ہو چکا تھا کہ اس نے اپنی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

اس کی زندگی میں اس نئی دنیا کے اثرات اتنے شدید تھے کہ وہ اپنا ماضی بھول چکا تھا۔ وہ وہی لڑکا تھا جسے والدین نے ہمیشہ نیک صاف اور سادہ زندگی گزارنے کی نصیحت کی تھی لیکن اب اس کا ذہن ان سب باتوں سے خالی تھا۔ وہ کسی اور دنیا کا حصہ بن چکا تھا اور گھر والے محض اس کی زندگی کے بدلتے ہوئے دھارے کو دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

اب وہ لڑکا جو کبھی سکول میں والدین اس کی کامیابیوں پر فخر کرتے تھے اب ان کامیابیوں سے دور ہو چکا تھا۔ والدین اس تبدیلی کو نہ صرف محسوس کر رہے تھے بلکہ اس کی حرکات پر سخت پریشان بھی تھے۔ گھر والوں کے لیے یہ تبدیلی ایک سنگین انتباہ تھی کہ کہیں ہمارا بیٹا اس راہ پر نہ چل نکلے جس پر اس کا مستقبل نہیں بلکہ اس کی زندگی بھی سوالیہ نشان بن جائے۔

☆☆☆☆☆☆

نتیجہ امتحان اور چار مضامین:

امتحان دے کر تب مجھے یاد بھی نہیں رہا کہ میں نے کس غرض سے یہ جسمانی مشقت لی تھی جب بورڈ نے نتائج کا اعلان کیا تو میں انگلش ریاضی سائنس اور اسلامیات میں فیل تھی ابو نے مجھے حوصلہ دینے کی کوشش کی وہ شاید سمجھ رہے تھے کہ یہ پہلے کی شگفتہ ہے جن کی خوراک مطالعہ تھی یا شاید میں اس ناکامی پر پریشان اور مایوس ہوں گی۔۔۔۔۔۔۔۔دیکھے بیٹا کوئی بات نہیں یہ چار مضامین تم نے سپلیمنٹری میں دے دینا کامیاب ہو سکتی ہو پھر مجھے تسلی دینے لگے جیسے میں کوئی سی ایس ایس کے امتحان کی تیاری کر چکی تھی جو فیل ہوئی ہوں مجھے اپنی ناکامی پر کو پریشانی یا پچھتاوا تھا ہی نہیں۔ میں یہ بھول چکی تھی کہ میں تو اردو میں ماسٹر کرنے والی اور مستقبل میں لیکچرار بننے والی تھی میری آنکھوں پر اب تو کمال کے ساتھ عشق کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

(جاری ہے)

ISSN # : 3080-9746

محمد بوٹا بی اے "بوجھ بابا"

تحریر و تحقیق: محمد فاروق عزمی

"محمد بوٹا بی اے" ہمارا دوست ہے اسے ایک سرکاری ہسپتال میں ہر تین ماہ کے بعد چیک اپ اور مفت دوائیں حاصل کرنے کے لیے جانا ہوتا ہے۔ جہاں لمبی لمبی قطاروں میں لگ کر پرچی بنوانا، پھر ڈاکٹر کے سامنے پیش ہونا۔ سرسری سے چیک آپ کے بعد دوائی کے لیے انتظار کے مراحل۔ تب کہیں جا کر غیر معیاری ادویات کا حصول ممکن ہوتا ہے جو حکومت مفت فراہم کرتی ہے۔ اس ساری ذلالت نے اسے اس قدر بددل کیا ہے کہ وہ اس بار ایک لمبے عرصے تک ہسپتال نہیں گیا۔ پھر گھر سے اتنی دور سائیکل پر جانا بھی اب بڑھاپے میں خاصا تکلیف دہ عمل ہے۔ لہٰذا اس بار جب وہ اپنی برسوں پرانی ہسپتال کی فائل کی گرد جھاڑ کر جیسے تیسے ہسپتال پہنچا اور مختلف کھڑکیوں اور قطاروں کو بُھگتا کر ڈاکٹر صاحب کے روم میں داخل ہوا تو معائنے کے لیے ایک ہی میز پر دو ڈاکٹر تشریف فرما تھے جو باہم خوش گپیوں کے دوران مریضوں کو بھی گاہے گاہے دیکھ کر دوا تجویز کر رہے تھے۔ انھوں نے بوٹے سے اتنے لمبے وقفے کے بعد ہسپتال آنے کی وجہ دریافت کی۔ موصوف کوئی تسلی بخش جواب نہ دے پائے تو ایک ڈاکٹر نے پوچھا کہ گھر کے فیملی ممبران میں سے بھی کسی نے آپ کو ہسپتال آنے اور باقاعدگی سے دوا لینے کے لیے نہیں کہا؟ بوٹے کی خاموشی پر انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے دوسرے ڈاکٹر سے آہستہ سے کہا، "بوجھ بابا" پھر خود ہی گویا ہوا کہ بابا جی ہمارے معاشرے میں بہت سے گھروں میں ایسے بزرگ بابے اور مائیاں موجود ہیں جنھیں بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اور گھر میں انھیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ وہ چیک اپ کرائیں نہ کرائیں، دوا لیں نہ لیں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ ان سے "دعائیں" لینی ہوں تو دو گھڑی ان کے پاس رک کر انھیں دعا کے لیے" حکم "نما درخواست کر دی جاتی ہے۔

بوٹے نے ہسپتال یاترا کے اگلے دن یہ روئیداد میرے دفتر میں میرے سامنے بیٹھ کر سنائی، ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے گرم گرم چائے کو شُڑک شُڑک کر نوش فرمایا۔ اور اپنے دل کا بوجھ میرے دلِ ناتواں پر منتقل کر کے چلا گیا۔

بوٹا کوئی معمولی آدمی نہیں۔ وہ اس نسل کا نمائندہ ہے۔ جس نے اپنی جوانی محنت، دیانت اور ذمہ داری سے گزاری۔ سرکاری ملازمت میں برسوں خدمات انجام دیں۔ اوپر کی کمائی کے وافر مواقع ہونے کے باوجود رزقِ حلال کمایا۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کی۔ انھیں اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے اپنی خواہشات اور جوانی قربان کر دی۔ اس کے تین بیٹے ہیں، گھر آباد ہے۔ پوتے پوتیوں کی رونق بھی موجود ہے۔ مگر اس کے دل میں ایک ایسا خلا ہے۔ جو کسی دولت سے نہیں بھر سکتا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جو پنشن ملتی ہے۔ وہ گھر کے سودا سلف، بجلی، گیس اور دیگر یوٹیلٹی بلوں پر خرچ ہو جاتی ہے۔ جو کچھ بچتا ہے۔ وہ پوتی پوتوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات اور فرمائشوں پر نثار کر دیتا ہے۔ خودداری کا عالم یہ ہے کہ فارغ رہنے کے بجائے اپنی محنت اور ہنر سے کتابوں کی جلدیں بنا کر اور دیگر چھوٹے موٹے کام کر کے کچھ اضافی آمدنی بھی حاصل کر لیتا ہے تا کہ کسی پر بوجھ نہ بنے۔ لیکن آج ڈاکٹر نے اسے "بوجھ بابا" کا خطاب دیا تو "محمد بوٹا" بہت دل گرفتہ تھا۔

اسے اپنی پنشن کے کم ہونے یا اس عمر میں بھی مسلسل محنت کرتے رہنے کی شکایت یا شکوہ نہیں ہے۔ وہ صابر شاکر بندہ رنجیدہ ہے تو اپنے بیٹوں کے احساسِ ذمہ داری سے محرومی پر۔ اسے شکوہ ہے کہ بیٹے گھر کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتے، اپنی ذمہ داریاں محسوس نہیں کرتے سب کچھ بوڑھے باپ کے ناتواں کندھوں پر ڈال کر اپنی اپنی دنیا میں مست ہیں۔ وہ کندھے جو اب اپنی عمر کے بوجھ سے جھک چکے ہیں۔

یہ صرف ہمارے دوست "محمد ہوٹے" کا دکھ نہیں۔ بلکہ ہمارے معاشرے کے بے شمار بزرگوں کا مشترکہ المیہ ہے۔ جن کی انگلی تھام کر بچوں نے چلنا سیکھا۔ آج ان لرزتے ہاتھوں کو سہارا دینے والا کوئی نہیں۔ جن آنکھوں نے بچوں کے سنہرے مستقبل کے خواب دیکھتے دیکھتے اپنی بینائی کھو دی۔ آج ان آنکھوں پر لگی عینک کا نمبر کسی بیٹے کے علم میں نہیں۔ نامناسب نمبر کی عینک سے گزارا کرتے اور دنیا کی بے مروتی اور اپنوں کی بے اعتنائی کا نظارا کرتے ان دھندلی آنکھوں کی نمی کسی "بیٹے" کو نظر نہیں آتی۔

اسلام نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ تعالٰی کی عبادت کے بعد سب سے بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

آیت کے ترجمے کا مفہوم ہے "اور اُن کے سامنے (والدین کے سامنے) محبت و رحمت سے عاجزی کا بازو جھکائے رکھو۔" (سورہ بنی اسرائیل 24)

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ "والد کی رضا میں اللہ کی رضا اور والد کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے۔"

بوٹے کا دکھ صرف اس کا ذاتی غم نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے معاشرے کے ضمیر کے لیے ایک تلخ سوال ہے۔ کیا ہماری ترقی، تعلیم اور خوش حالی اس وقت کوئی معنی رکھتی ہے جب ہمارے گھروں کے بزرگ تنہائی، بے قدری اور

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

احساسِ محرومی کا شکار ہوں؟ بدقسمتی سے جدید دور میں مادہ پرستی، خودغرضی اور انفرادی سوچ نے خاندانی نظام کو کمزور کر دیا ہے۔نوجوان اپنے حقوق تو یاد رکھتے ہیں مگر فرائض بھول جاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ جس باپ نے ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی جوانی کھپا دی۔آج وہ باپ ان کی توجہ، آرام، احترام اور محبت کا حق دار ہے۔ یہ صرف ہوٹے کی کہانی نہیں ہمارے معاشرے کے ہزاروں گھروں کی داستان ہے۔ایک وقت تھا جب باپ گھر کی چھت ہوتا تھا، اس کے سائے میں اولاد خود کو محفوظ تصور کرتی تھی۔آج المیہ ہے کہ اکثر گھروں میں یہ چھت اب بوسیدہ اور بوجھ قرار دے دی گئی ہے حالانکہ اب بھی یہ چھت دھوپ، بارش، گرمی سردی اپنے اوپر سہہ رہی ہوتی ہے تاکہ نیچے بیٹھے لوگ محفوظ رہیں۔

ہم نے ترقی تو کر لی، تعلیم یافتہ ہوگئے، ڈگریاں لے لیں، لیکن تربیت کہیں راستے میں کھوگئی۔ظرف سکڑتا گیا۔ والدین کے لیے وقت اور احترام ختم ہوگیا- بوٹے غفورے اور فضلو تنہا رہ گئے۔نئی نسل سہولتوں کی وارث بن گئی اور قربانیوں کی تاریخ فراموش کردی۔ باپ صرف وہ نہیں جو خرج اٹھاتا ہے بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اپنی ساری زندگی دھوپ میں گزارتا ہے تاکہ اس کی اولاد ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ سکے۔ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب اولاد اس درخت کے سوکھنے کا انتظار کرنے لگتی ہے۔اس درخت کی جڑوں کو پانی دینا بھول جاتی ہے۔ ہوٹا اگر سال چھے مہینے مفت ملنے والی دوائی لینے نہ جائے تو کوئی بیٹا یہ نہیں پوچھتا کہ آپ دوا کیوں نہیں لا رہے یا محبت اور احترام کا بازو پھیلا کر اور سہارا دے کر خود ساتھ نہیں چلا جاتا کہ چلیں میں آپ کے ساتھ چیک اپ کے لیے چلتا ہوں۔ میں قطار میں لگ کر آپ کے لیے دوا حاصل کرلوں گا۔اگر ایسا ہوتا تو بوٹے کو" بوجھ بابا" جیسے القاب سے نہ نوازا جاتا۔

اے نئی نسل کے نمائندو، اے موبائل اور انٹرنیٹ میں ڈوبے اور کھوئے نوجوانو! ایک لمحہ کے لیے انٹرنیٹ کی رنگین اور لامتناہی دنیا سے باہر آ کر اپنے باپ کے ہاتھوں کو دیکھو۔ ان پر پڑی سخت گٹھیں تمہارے آرام کی قیمت ہیں۔اس کی پیشانی کی جھریاں تمہارے مستقبل کی تحریر ہیں۔اس کے لرزتے قدم اور کمزور پڑتی چال اس سفر کی گواہی ہے جو اس نے تمہیں منزل تک پہنچانے کے لیے طے کیا۔کسی شام اپنے باپ کے پاس خاموش بیٹھ کر اس کے چہرے کی لکیروں کو پڑھو، اس کی آنکھوں میں جھانکو، وہاں تمہیں اپنی پوری زندگی کی داستاں لکھی ہوئی ملے گی۔ درخت جب تک کھڑا رہتا ہے لوگ اس کے سائے کی قدر نہیں کرتے جب وہ گر جاتا ہے تو پھر دھوپ کا احساس ہوتا ہے۔ باپ بھی زندگی کا وہی درخت ہے جس کی ٹھنڈی چھاؤں کا احساس اس کے رخصت ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔اگر تمہارے گھر میں کوئی بوٹا زندہ ہے تو اس شجرِ سایہ دار کو خزانہ سمجھو بوجھ نہیں۔اس کے ہاتھ چوم لو، اس کے پاؤں دبا دو۔اس کے ساتھ چند لمحے گزار لو اپنے کمروں اور اپنے موبائلوں سے نکل کر اس کی بات تحمل سے سن لو، اس کی عینک کے شیشے اپنے دامن سے صاف کر دو۔اس کے کندھوں سے ذمہ داریوں کا بوجھ کم کر دو، جس دن باپ دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس دن تمہاری زندگی میں سب سے زیادہ بے لوث دعائیں کرنے والا شخص دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔پھر انسان بڑی بڑی قبروں کے کتبے پڑھتا پھرتا ہے مگر "بیٹا" کہنے والی وہ آواز واپس نہیں آتی۔ لہٰذا اپنے گھر کے "محمد بوٹے" کی قدر کرو اسے بوٹا ہی رہنے دو"بوجھ بابا" نہ بناؤ۔

ISSN # : 3080-9746

امیرالعظیم (مرحوم)

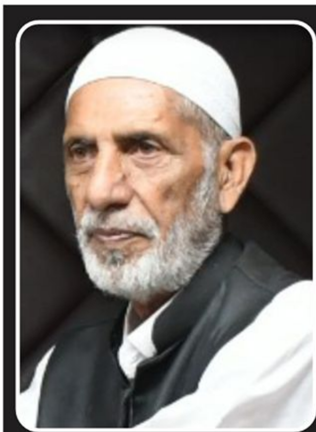

تحریر: حکیم راحت نسیم سوہدروی

امیرالعظیم مرحوم زندگی کی 67 بہاریں گزار کر وہاں چلے گئے جہاں دنیا میں انے والے ہر فرد کو جانا ہے اور اج ہماری انکھیں ان کی متلاشی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ہم سے اتنی دور چلے گئے ہیں جہاں سے کوء واپس نہیں اتا۔ یہ دنیا دار فانی ہے ہر فرد کو ایک روز جانا ہے موت برحق ہے، کسی کو اس سے رستگاری نہیں ہے ہمیشہ رہنے والی ذات تو صرف حق جل شانہ کی ہے۔ باقی ہر شے کو فنا ہونا ہے پھر یہ سلسلہ تو اس وقت سے جاری ہے جب سے یہ دنیا معرض وجود میں اء ہے اور جب تک یہ دنیا قائم ہے انے اور جانے کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

امیرالعظیم کا تعلق ایک دیندار اور تحریکی گھرانے سے تھا جو پٹیالہ سے ہجرت کر کے ایا ان کی والدہ اور نانا نے گجرات کو مسکن بنایا جبکہ والد اور دادا اسلام پورہ لاہور میں مقیم ہوئے۔ امیرالعظیم 1958 میں فضل عظیم کے ہاں پیدا ہوئے ابتداء تعلیم اسلام پورہ کے سکول سے حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج سول لائینز میں داخل ہوئے جہاں وہ اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک ہو گئے اور جلد ہی کالج یونٹ کے ناظم بنے اسلامیہ کالج سے گریجوایشن کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں ایم بی اے میں داخلہ لے لیا اور ساتھ جمعیت کے لئے متحرک رہتے۔ 1984 میں پھر وہ وقت ایا کہ جمعیت نے انہیں پنجاب یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں صدارت کے لئے امیدوار نامزد کیا انہوں نے بھرپور انتخابی مہم کے بعد کامیابی حاصل کی اور صدر منتخب ہو گئے ان سے پہلے حافظ ادریس، جاوید ھاشمی، فرید پراچہ، عبدالشکور، مسعود کھوکھر اور ملک جاوید اختر اس عہدہ پر فائز رہ چکے تھے یہ دور پاکستان کی سیاست کا بڑا ہنگامہ خیز دور تھا دائیں بائیں بازو کی کشمکش عروج پر تھی بھٹو کو پھانسی ہو چکی تھی قوم کی طرح طلبہ برادری بھی دو حصوں میں تقسیم تھی اور طلبہ تحریک اس میں ہراول دستہ تھی۔ ڈکیٹیٹر ضیاالحق کا دور تھا اگرچہ جماعت اسلامی اور اس کے امیر میاں طفیل محمد کے ان سے یتعلقات ہی نہ تھے بلکہ معاون تھے ضیاالحق نے طلبہ یونینز پر پابندی لگادی طلبہ نے امیرالعظیم کی قیادت میں بھرپور تحریک چلاء لانگ مارچ کیا جس پر امیرالعظیم کو گرفتار کر لیا گیا اور تشدد بھی ہوا جب ایک اخبار نویس نے ضیاالحق سے اس تشدد اور گرفتاری بارے سوال کیا تو ان کا کہنا تھا کہ کوء امیرالعظیم ہو یا امیرالاعظم ہو کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ امیرالعظیم جیل میں تھے کہ ارکان جمعیت نے انہیں اپنا سربراہ منتخب کر لیا انہوں نے جیل میں ہی خلف اٹھایا۔ وہ دو بار ناظم اعلی منتخب ہوے۔ وہ منتخب اور مقبول طلبہ قیادت کی اخری کڑی تھے۔ انہوں نے ایم بی اے کے ساتھ ایم اے پولیٹکل سائینس بھی کیا پنجاب یونیورسٹی سے فارغ ہوئے تو کء دوسروں کی طرح ادھر ادھر نہیں دیکھا بلکہ

سیدھا جماعت اسلامی میں شامل ہو گئے اور پھر تمام عمر جماعت کے ہو کر رہ گئے۔ وکلا کی ازاد عدلیہ اور چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک میں پیش پیش رہے اور اس دوران پولیس کی انسوگیس کی شلینگ سے ان کے سر پر جو زخم ائے ان کے نشان ابھی بھی موجود تھے۔ ابتدا میں لاہور جماعت کے سیکرٹری جنرل پھر امیر منتخب ہوئے پھر وسطی پنجاب کے امیر۔ اس کے بعد قاضی حسین احمد کے دور میں انہیں مرکزی سیکرٹری اطلاعات بنایا گیا انہوں نے اس حساس ذمہ داری کو خوب نبھایا دائیں بازو کے ساتھ بائیں بازو والے سے بھی تعلقات رکھتے اور ان کی امیر جماعت سے نشستیں رکھتے۔ اہل صحافت میں بہت مقبول تھے تمام کالم نویسوں اور مدیران ان کا احترام کرتے۔ انہیں یہ شرف بھی حاصل رہا کہ قاضی حسین احمد، سید منور حسن، سراج الحق اور پھر حافظ نعیم الرحمٰن کے ساتھ کام کرنے اور ذمہ داریاں نبھانے کا موقع ملا۔ یہاں تک کہ 2019 میں انہیں جماعت اسلامی کا مرکزی سیکرٹری جنرل (قیم) نامزد کر دیا گیا اور یہ ذمہ داری انہوں نے اچھے طرح سرانجام دی۔

میری ان سے شناساء طلبہ دور سے تھی لیکن یہ رسمی نوعیت کی تھی کسی مجلس میں ملاقات ہو جاتی حال احوال پوچھ لیتے مگر کوء ایک دہاء قبل جب میں نے کنال ویو سوسائٹی میں رہائش کے لئے منتقل ہو گیا تو انہیں پتہ چلا بربنائے خلوص و محبت ملنے تشریف لائے خوب نشست ہوء۔ اس کے بعد ملاقاتوں کے سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا ان کے ہاں سالانہ عید ملن ہوتی ہا پھر دروس قران ہوتے یا کسی علمی و عالمی شخصیت کی امد پر ان کے ہاں نشست ہو جاتی وہ کہ اعلی درجہ کے مہمان نواز تھے۔ وہ کہ ایک مجلسی شخص بھی تھے کٹر دائیں بازو اور جماعت اسلامی کے مرکزی ذمہ دار ہونے کے باوجود متعصب و متشدد مزاج نہ تھے ان کے حلقہ احباب میں بائیں بازو کے لوگ بھی تھے۔ وہ نظریاتی اختلافات کے باوجود سماجی میل جول اور مکالمہ پر یقین رکھتے تھے۔ وہ دوسروں کی بات پوری توجہ سے سنتے پھر دلائل و براھن کے ساتھ اپنی بات کرتے۔ اگر وہ دفتر سے جلد اجاتے تو مغرب اور عشا کی نماز مسجد میں ادا کرتے اور اس طرح روز یا دوسرے روز ضرور ملاقات ہو جاتی۔ نماز تراویح باقاعدہ مسجد میں ادا کرتے ان کی سب سے بڑی خوبی ان کی طبعیت کی عجز و انکساری تھی انہیں نمایاں ہونے یا نام نمود کا قطعی شوق نہ تھا جہاں جگہ ملی نماز ادا کر لی۔ وہ جماعت اسلامی میں اتنی اہم ذمہ داری کے باوجود ہر دم چہرہ پر مسکراٹ سجائے ملتے اور کوشش کرتے کہ وہ دوستوں کی غمی خوشی میں شریک ہوتے اور جو بھی کسی کام سے ایا اس کی ممکنہ مدد کی اور اس امر کا کبھی اظہار نہ کیا۔ خوش خلقی اور خوے دلنوازی ان کا امتیازی وصف تھا۔ سال گذشتہ دسمبر میں ظفر علی خان فاونڈیشن میں میرے والد حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی علیگ کی برسی کی تقریب منعقد ہوء تو میں نے ان کو دعوت نامہ وٹس ایپ کر دیا ان کا نام مقررین میں بھی شامل نہ تھا مگر وہ بروقت پہنچ گئے میں نے پورا احترام دیا اسٹیج پر بٹھایا انہوں نے میری درخواست پر بھرپور خطاب فرمایا۔ وہ بھائیوں کی طرح محبت سے پیش اتے۔ جماعت اسلامی سے تعلق انہیں ورثے میں ملا اس کے ساتھ ساتھ وہ فکر سید مودودی سے بہت متاثر تھے اور اس لئے اپنی زندگی جماعت کو دے دی۔ نجی مجالس میں وہ جماعت کی کء پالیسوں سے مختلف رائے بھی رکھتے مگر جماعتی نظم، اطاعت نظم اور امیر کے تحت جماعت کے فیصلوں کی مکمل تائید کرتے۔ اسی نقطہ نظر کے تحت انہوں نے سابق سینٹر مشتاق احمد کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر ان کی سعی بے سود رہی اور مشتاق احمد خان جماعت سے الگ ہو گئے۔ امیرالعظیم بحثیت سیکرٹری جنرل کے جماعتی ساتھیوں کو ان کے بارے

ISSN # : 3080-9746

اظہار خیال اور کسی بات کا جواب دینے سے روک دیا۔اپنے بلند پایہ کردار،اخلاق اور مزاج کے باعث تمام سیاسی جماعتوں،دینی حلقوں ،صحافیوں اور سماجی زندگی میں بہت احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے۔تحریکوں کے لئے صرف بیانیہ یا نعرے ہی نہیں ایسے عظیم اور مخلص اور بے لوث افراد ضروری ہوتے ہیں جیسا کہ امیر العظیم تھے جہنوں نے اپنی جوانی اور پھر تمام عمر تحریک اسلامی کی نذر کردی اور سید مودودی کی فکر کے مطابق اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے استقامت

سے اور اخلاص سے کام کرتے رہے۔

انہوں نے کاروبار کے لئے فیوچر ویزن کے نام سے ادارہ بنایا پھر ایک تعلیمی ٹیلی ویژن اسپشل قائم کیا اور انہیں کامیاب بنایا اگرچہ جماعتی مصروفیات کے باعث وہ زیادہ وقت نہ دے سکتے تھے۔انہوں نے اپنی گھریلو زندگی اور جماعتی مصروفیات میں توازن رکھا اور شاندار زندگی گزاری۔

کچھ عرصہ قبل نماز مغرب کے بعد مسجد میں ملاقات ہوء تو گردن پر پٹی ہونے کے باوجود خون رستا ہوا نظر ارہا تھا میں نے پوچھا تو حسب عادت مسکرا دیئے۔ وہ چند روز تک نظر نہ ائے تو میں نے ان کے برادر اکبر نور العظیم صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تکلیف بڑھ گء ہے اور کیموتھراپی کرا رہے ہیں انہی دنوں اردو ڈائجسٹ کے مدیر الطاف حسن قریشی کا انتقال ہوگیا تو میں ان کی نماز جنازہ کے لئے جامعہ اشرافیہ گیا تو وہاں امیر العظیم کو اتے دیکھا میں اگے بڑھ کر انہیں ملا حسب روایت مسکرائے اور صحت کے حوالے سے کوء بات کرنے کی بجائے الحمدللہ کہا۔ میں نے کہا کہ اپ اتنی تکلیف میں اگئے ہیں کہنے لگے سوچا کہ الطاف صاحب کی نماز جنازہ میں شرکت کرلوں۔امیر العظیم کے والد ماجد فضل عظیم اردو ڈائجسٹ میں الطاف صاحب کے ساتھ انتظامی امور کے ذمہ دار کے طور پر شریک سفر رہے شاہد اسی تعلق نے انہیں شدید تکلیف کے باوجود نماز جنازہ میں شرکت پر امادہ کردیا تھا ایسے وضع دار لوگ اب کہاں رہ گئے ہیں۔ وہ اس قدر تکلیف کے باوجود جماعتی سرگرمیوں میں مصروف رہتے اور کبھی کینسر جیسی بیماری کو راستہ کی رکاوٹ نہ بننے دیا۔انہیں کوء 19 سال سے گلہڑ کے ساتھ کینسر کی تکلیف تھی جس کا اظہار نہیں کرتے تھے اور نہ اپنے کاموں میں رکاوٹ بننے دیتے تھے۔کوء ایک ماہ قبل اس دوران تکلیف بڑھ گء اور کام مشکل ہوگیا تو منصورہ ہسپتال داخل ہوگئے میں تمیارداری کے لئے گیا۔طبعیت نہ سنبھل سکی بلکہ مزید تکلیف بڑھنے لگی تو کینسر کیئر ہسپتال لے جایا گیا کہ چند دنوں کے بعد واپس گھر اگئے کہ واپسی کا سفر شروع ہوچکا تھا کہ اسی اثنا میں ایک روز گجرات سے ہمارے دوست پروفیسر سید صابر علی شاہ جن کا تعلق جماعت سے تھا حج کی سعادت کے بعد ملنے ائے تو کہنے لگے امیر العظیم بھاء کی تیمارداری کرنا ہے میں نے کہا ابھی چلتے ہیں ان کا گھر میرے گھر کے قریب ہی تھا ہم اسی وقت چل دیئے دروازہ پر امیر العظیم کے برادر اکبر نور العظیم اور فرزند منیب مل گئے ان دنوں ان کی طبعیت کے پیش نظر کم لوگوں کو ملنے دیئے جاتا تھا دیرنیہ شناساء کی وجہ سے ہمیں اندر جانے دیا گیا وہ بیڈ پر لیٹے تھے کینسر کی تکلیف نے ان کی ہنسلی کی پوری ہڈی کھالی تھی گردن کو سہارا دینے والی ہڈی بازو کو جوڑنے والی ہڈی کینسر نامی بھوکے افریت کی بھوک کی نذر ہوچکی تھی اس لئے وہ اپنا سر سیدھا نہیں کرپاتے تھے۔ پانسا نہیں پلٹ سکتے تھے وہ سفید لباس زیب تن کئے دائیں کروٹ سے لیٹے تھے مگر حسب روایت خوش مزاجی سے مسکراتے ہوئے مصحافہ کیا اور میرا حال پوچھنے لگے میں نے سید صابر علی شاہ کا تعارف کرایا۔وہ انکھیں کھولے اور مسکراہٹ سے باتیں کررہے تھے کہ معانقہ ممکن نہ تھا کہ ان کے ارام کے پیش نظر تھوڑے وقت میں میں نے اجازت لی اور پرجوش انداز میں ہاتھ ملایا اور باہر نکل ائے ان کا پرسکون اور مطمن چہرہ نظروں کے سامنے گھومتا رہا اور ان کی زندگی پر رشک کرنے لگا کہ اتنی تکلیف کے باوجود کس طرح مقاصد ہائے زندگی کے لئے وقف رہے وہ کہ ایک نظریاتی کارکن تھے اور بقول شامی صاحب اپنے نام کی طرح امیر اور عظیم تھے باہمت اور استقامت کا کوہ گراں تھے انہوں نے کینسر جیسے موذی مرض کے باوجود کبھی اسے اپنے کاموں میں رکاوٹ نہ بننے دیا۔میں واپسی پر گھراتے ہوئے سوچتا رہا کہ ذرا کوء تصور تو کرئے کہ اسے علم ہو کہ وہ کچھ وقت کا مہمان ہے اور اسے یہ دنیا چھوڑ جانا ہے مگر اس کے باوجود وہ گھبراہٹ کی بجائے مطمن ہو اور مقاصد ہائے زندگی، اللہ کی رضا اور درد دل کے لئے وقف ہو۔ تو ایسا شخص مرد مومن اور ولی ہی ہوسکتا ہے۔

امیر العظیم بھاء سے اس اخری ملاقات کے بعد دل مطمن نہیں تھا طبعیت بے قرار رہنے لگی ان کے لئے بہت دُعائیں کیں۔ ۔کہ 22 جولاء کو رات کوء دس بجے کے قریب صحن میں لیٹا ہوا تھا کہ بجلی گء ہوء تھی کہ میرے بیٹے حارث نسیم نے اکر بتایا کہ امیر العظیم صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اٹھ کر ان کے گھر کی طرف چل پڑا۔ان کے گھر پہنچے ان کا پرسکون چہرہ دیکھا اور دیر تک دیکھتا رہا کء ماہ کی تکالیف نے انہیں پرسکون کردیا تھا ہر درد اور اذیت سے بے نیاز ہوچکے تھے اور ہر تکلیف سے ازاد ہوچکے تھے۔

23 جولاء کو بعد نماز عصر جامع مسجد منصورہ جس کا سنگ اساس سید مودودی نے رکھا پھر حافظ یوسف سدیدی کے قلم کا شاہکار ایات قرانی اس کے ماتھے کا جھومر ہیں میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گء جو حافظ نعیم الرحمٰن کی امامت میں ادا کی گء۔ اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئیا میر جماعت جناب حافظ نعیم الرحمٰن نے کہا ہم اپنے بھای کی گواہی کے لیے جمع ہیں۔۔ان سے کوی غلطی ہوی ہو کسی کو تکلیف پہنچی ہو ان کی جگہ میں معافی مانگتا ہوں ۔۔ایسی محبت ایسے لفظ کم ہی کسی جانے والے کو نصیب ہوتے ہیں۔۔۔ان سے قبل لیاقت بلوچ صاحب نے ان کی پوری زندگی کا احاطہ کیا۔۔پٹیالہ سے ہجرت کر کے آنے والے خاندان کے اس فرد کی زندگی کا احاطہ پھر نذیر جنجوعہ کی اواز گونجی کہ نماز جنازہ ہوجائے تو بھاء کا چہرہ دیکھنے کی ضد میں تاخیر نہ ہونے دیں جنت کے مسافر کو غروب افتاب سے قبل جنت کے دروازے پر چھوڑنے جانا ہے۔

ہزاروں افراد نے نماز جنازہ ادا کی اور کوء پانچ سے دس منٹ میں قبرستان کنال ویو کی جانب روانگی ہوگء نہر کنارے واقع کینال ویو سوسائٹی کا قبرستان جو میرے گھر سے چند گز کے فاصلے پر ہے ان سے محبت کرنے والوں نے نماز جنازہ کے فورا بعد انہیں یہاں لاکر سپرد خاک کردیا ۔۔ ان کے فرزندان کی سسکیاں قبرستان میں گونج رہی تھیں۔بڑے بھاء نور العظیم غم سے نڈھال تھے یہ بھی عجیب جداء تھی کہ لوگ اہل خانہ کی بجائے ان سے تعلق اور محبت کرنے والوں سے تعزیت کررہے تھے۔

امیر العظیم بھاء سادہ مزاج،درویش صفت،اخلاق کردار کے اعلی درجہ پر اور ہر وقت مسکراتے رہنے والے اور مقاصد ہائے زندگی کے لئے وقف رہے۔وہ کہ ایک نظریاتی کارکن تھے اخلاق و کردار کے بلند مقام پر فائز تھے وہ اپنے نام کی طرح امیر بھی تھے اور عظیم بھی۔ وہ باہمت اور استقامت کا کوہ گراں تھے۔عجز وانکسار ان کی خاصیت تھی۔انہوں نے کینسر جیسی بیماری کو اپنے سفر میں رکاوٹ نہ بننے دیا وہ اپنے نام کی طرح بلاشبہ عظیم تھے نام نمود سے دور رہتے لوگوں کے کام کر کے خوشی محسوس کرتے۔ وہ اس عارضی د دنیا سے رخصت ہوگئے مگر لافانی نقوش چھوڑ گئے۔ دعا ہے کہ رب کعبہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

چھے دہائیوں پر محیط ادبی اور تہذیبی کیریئر
ممتاز نقاد، محقق، ادیب، شاعر، مترجم، مدیر، منتظم اور اُستاد ڈاکٹر تحسین فراقی

تحریر: کاشف منظور

زیر نظر مضمون ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب جناب کاشف منظور نے 7 اگست 2026ء کو بزم اقبال کے زیر اہتمام ڈاکٹر تحسین فراقی کے اعزاز میں منعقدہ الوداعی تقریب میں پڑھا۔

ڈاکٹر تحسین فراقی جامع الحیثیات وحسیات شخصیت ہیں۔ خود میں پائی جانے والی خوبیوں اور علمی کامیابیوں کے باوجود خود کو بجز ایک طالب علم کے کچھ نہیں سمجھتے یہی خوبی انہیں دیگر علمی وادبی شخصیات ممتاز کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے شاعری کا باقاعدہ آغاز 1970ء میں کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ " نقش اول" 1992ء میں شائع ہوا۔

زیر نظر مضمون ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب جناب کاشف منظور نے 7 اگست 2026ء کو بزم اقبال کے زیر اہتمام ڈاکٹر تحسین فراقی کے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں پڑھا۔

ڈاکٹر تحسین فراقی نہایت شفیق، نیک سیرت اور محبت کرنے والے انسان ہیں۔ مجھے ان سے بارہا ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے، لیکن ہر ملاقات مجھ پر ایک عجیب روحانی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ ادب میں وہ محقق، نقاد، شاعر، مترجم وغیرہ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں یعنی ایک جامع الحیثیات وحسیات شخصیت ہیں۔۔۔، لیکن ان سب خوبیوں اور علمی کامیابیوں کے باوجود وہ خود کو بجز ایک طالب علم کے کچھ نہیں سمجھتے۔ میری ادنی رائے میں یہی خوبی انہیں دیگر علمی وادبی شخصیات سے ممتاز کرتی ہے۔۔۔

اسلم لودھی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب وہ ایک عام آدمی کی طرح اپنے بیمار بیٹے کی تیمارداری کے لئے میوہسپتال کے ٹھنڈے فرش پر سردیوں کی راتوں میں سویا کرتے تھے۔ ٹھنڈے فرش پر عام لوگوں کی طرح کھیس لے کر سوتا ہوا دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی ڈاکٹر تحسین فراقی ہیں جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے "ہیڈ" ہیں، جن کا شمار پاکستان بلکہ اردو دنیا کی عظیم ادبی وعلمی شخصیات میں ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے ایک صابر وشاکر انسان کی حیثیت سے اپنے جواں سال بیٹے عمر فاروق ودیگر وفیات کا صدمہ بھی پہاڑ جیسے جگرے سے "انگیخت" کیا۔

"دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے"

اپنی "پرکھ پڑچول" کو لے کر ان کے تنقیدی "ناوک" نے زمانے میں "صید" نہیں چھوڑا۔۔۔

، منجملہ دیگر ادبی مشاہیر کے، غالب واقبال بھی ڈاکٹر تحسین فراقی کی تنقید کا اہم حوالہ ہیں۔ بقول نثار احمد فاروقی ہمارے نقادوں اور محققوں کا غالب پر کچھ نہ کچھ لکھنا ایسا ہی ضروری ہوگیا ہے جیسے مناسک حج میں میدان عرفات کا قیام کہ اس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر تحسین فراق نے اردو کے نقاد ہونے کے باوجود، غالب کی فارسی تخلیقات پر جم کر لکھا ہے۔ اس موضوع پر ان کے متفرق مضامین کا مجموعہ "غالب۔ فکر وفرہنگ'' کے نام سے چھپا ہے۔۔۔

(یہ مجموعہ مکمل نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی بھی بڑے اہتمام سے شائع کر چکا ہے)۔

ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

"علامہ اقبال کے بعد اہم شاعر ضرور آئے لیکن بڑا شاعر کوئی نہیں آیا۔ بڑا شاعر زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ ان حقائق کو بیان کرتا ہے جو ابدی ہیں۔ اہم شاعر وہ ہے جو زندگی کے حقائق تو بیان کرے لیکن اس بیان میں وہ جامعیت نہ ہو اور زبان پر وہ غیر معمولی قدرت نہ ہو، جو بڑے شاعروں میں ہوتی ہے۔ بڑی شاعری میں لفظ ومعانی غیر معمولی وحدت میں ڈھل جاتے ہیں۔ اردو میں غالب اور میر اس کی بڑی مثال ہیں۔ ن۔م راشد اہم شاعر ہیں۔ انہیں زبان پر بلاشبہ بہت عبور حاصل ہے لیکن لسانی ناہمواریاں بھی بہت ہیں۔ بعض جگہ غلطیاں بھی ہیں۔ تاج محل میں ایک غیر معمولی کرافٹ اور غیر معمولی جمال یوں یکجا ہوئے ہیں کہ تعمیر کا ایک معجزہ وجود میں آیا ہے۔ ایسے معجزے آپ کو اقبال کے ہاں ملیں گے۔

مثلا ان کی نظم ''مسجد قرطبہ ہے۔ میرا نہیں خیال کہ اقبال مسجد قرطبہ سے کوئی بڑی نظم لکھ سکتے ہیں (تھے)، راشد کی نظم حسن کوزہ گر کو بہت اہم نظم سجھتا ہوں لیکن اگر کوئی کہے کہ کیا یہ اس پائے کی ہے جس پائے کی نظم ''مسجد قرطبہ" ہے تو میرا جواب نفی میں ہوگا۔ اہم شاعر میں ایک آنچ کی کسر رہ جاتی ہے۔ بڑے شاعر میں کسر نہیں رہتی وہاں خالص سونا ہوتا ہے۔ ن م راشد، فیض احمد فیض، مجید امجد، اختر الایمان، منیر نیازی اور وزیر آغا کو میں اہم شعرا میں شمار کرتا ہوں۔ فیض کو باقی شعرا پر یہ برتری ہے کہ وہ نظم وغزل دونوں کے یکساں طور پر اہم شاعر ہیں"

اقبال کے علاوہ تین شاعر جو انہیں بہت پسند ہیں اور ان کو بار بار پڑھتے ہیں۔ وہ رومی، بیدل اور غالب ہیں۔ وہ اس بات پر بھی دل گرفتہ ہیں کہ قرآن پاک ہماری زندگیوں سے خارج ہوتا جا رہا ہے اور اس کو پڑھنے میں پہلے والے ذوق وشوق میں کمی آ رہی ہے۔ مغربی تاریخ نقد میں، انہیں ایلیٹ، جارج سٹائنز ٹیری ایگلٹن، نارتھ روپ فرائی اور ایف آر لیوس کا تنقیدی انداز پسند ہے۔ ان کی شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالی انہیں علم اور حقیقت اشیاء کی تہ تک پہنچنے کی توفیق دے۔

"اللہم ارنی کماھی الاشیاء"

وہ اپنی زندگی کو اقبال کے اس شعر کے مصداق پاتے ہیں۔

''اک اضطراب مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستاں دراز نہیں''

میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب کی شاعری پر کم بات ہوئی ہے جو اُردو کے علاوہ چند فارسی غزلیات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے شاعری کا باقاعدہ آغاز 1970ء میں کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "نقش اول" 1992ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کی بعض نظموں اور غزلوں کے شعر مقبول ہوئے جیسے مثلاً ''قریہ ء سبز سے فاختاؤں کی ہجرت" اور غزل کے شعروں میں اس طرح کے شعر:

وہ میرے پاس نہیں میرے دل کے پاس تو ہے
چراغ ایک ہے اور دو گھروں میں جلتا ہے

یا

آنکھ بھی بولتی ہے اس کے بھی لب ہوتے ہیں
گفتگو کرنے کے سو طرح کے ڈھب ہوتے ہیں

دوسرے مجموعے "شاخ زریاب" سے چند اشعار:

مجھ سا انجان کسی موڑ پہ کھو سکتا ہے
حادثہ کوئی بھی اس شہر میں ہو سکتا ہے
تجھے خبر ہی نہیں قونیہ کی دوری سے
تمام عمر مرا کس قدر زیاں ہوا ہے

علاوہ ازیں کئی نظمیں مثلا "خبر وحشت اثر تھی"، "قیامت آ گئی ہے"، '' کیمبرج کی ایک صبح''، '' ''ہفت یاقوت'' اور

ISSN # : 3080-9746

"انتظار" بہت پسند کی گئیں۔

"انتظار" کا تو کئی برس پہلے عربی میں ترجمہ بھی ہوا جو ایک ممتاز مصری ادیب ابراہیم محمد ابراہیم المصری نے کیا اور جامعہ ازہر قاہرہ کے مجلّے میں شائع ہوا۔

"بزرگ باراں دیدہ" ڈاکٹر تحسین فراقی، جناب مشفق خواجہ مرحوم کے چہیتے" مکتوب الیہان"میں شامل رہے ہیں جو دوستانہ لاڈ میں انہیں ڈاکٹر" وصالی" کہا کرتے اور لکھتے تھے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی کے باطن سے پھوٹنے والے احساس اور شعری جمالیات نے معجز ہئفن ضرور کر دکھایا ہے اور ان کی باطنی کیفیات کا پرتو ان کی شاعری میں اپنی پوری تب وتاب سے عکس فگن ہے۔

"شاخ زریاب" میں کلاسیکی اور جدید ادبیات کا امتزاج "اور فارسی آمیز تراکیب کی چاشنی اپنے بھرپور رچاؤ اور آہنگ کے ساتھ موجود ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جوان لخت جگر عمر کی یاد میں کہے اشعار کسی بھی صاحب اولاد کے کلیجے کو دہلا دیتے ہیں:

رات آتی ہے تو بے سدھ ہو کے اے جان پدر
خاک کے بستر پر تیرے ساتھ سو جاتے ہیں ہم
باری تو تھی میری تجھے جلدی تھی کس لئے
اے خوب رو جواں تیرے جانے کے دن نہ تھے
وقت مرہم ہے یہ سنتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں
کیا میرے دل سے کبھی غم تراجا تا رہے گا؟

مختصر بیان کیا جائے۔ تو ڈاکٹر تحسین فراقی کا علمی مرتبہ محض تصنیف وتالیف کے دائرے میں قید نہیں، بلکہ وہ تو فکر ونظر کا ایک مکمل اور ہمہ جہت نظام ہیں۔۔۔ متعدد مشرقی و مغربی زبانوں پر درک کی بدولت انھیں ایک خاص بصیرت حاصل ہے، جس سے بخوبی کام لے کر وہ ادبی مسائل کو سطحی تناظر کی بجائے تاریخ، فلسفہ اور نفسیات کے پیچیدہ اشتراک سے دیکھتے ہیں۔ بحیثیت استاد انھوں نے کئی نسلوں کو اپنے علم کی روشنی سے منور کیا۔ ان کی تنقید کلاسیک اور جدید کا خوبصورت امتزاج ہے۔ الغرض وہ شاعری، تحقیق، تنقید اور ترجمہ، ان چاروں سمندروں کی گہرائیوں کے شناور ہیں۔

حرف آخر کے طور پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ان کی ذات اردو ادب کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اُن کے کئی ادبی منصوبے تشنہء تکمیل ہیں۔ انگریزی میں لکھے مضامین اور اُردو کالموں کا ایک مجموعہ بھی سامنے آسکتا ہے۔ اور آخری بات یہ کہ اُن کی ماشاء اللہ سے 76 ویں سالگرہ میں پورے 40 دن باقی ہیں۔ دُعا ہے کہ وہ تا دیر ہمارے درمیان رہیں۔

گمان مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادہ ءناخوردہ دررگ تاک است

ڈاکٹر صاحب قبلہ اپنے بے شمار شاگردوں اور ہم جیسے ملنے والوں کی زندگیوں پر مثبت طریقے سے اثر انداز ہوئے ہیں۔ کبھی کبھار یہ احساس ہوتا ہے کہ اُن کے " کلام زبانی "میں درآنے والی تلخی ذرا کم ہوتی تو کیا بات تھی۔ کیونکہ کچھ کندہ ءناتراش لوگوں کو اس بات کی شکایت رہتی ہے۔ مگر یہاں پھر فیض یاد آتے ہیں۔

لب پر ہے تلخیء مئے ایام ورنہ فیض
ہم تلخیء کلام پہ مائل ذرا نہ تھے۔۔۔

ISSN # : 3080-9746

محکمہ اوقاف پنجاب کے زیراہتمام کتاب میلے اہتمام

تحریر: اصغرعلی کھوکھر

گزشتہ برسوں کی طرح امسال بھی محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام کتاب میلے کا انعقاد کیا گیا۔ بادشاہی مسجد کے احاطہ میں واقع اقبال ہال میں انعقاد پذیر ہونے والے اس کتاب میلے میں ادارہ بزم اقبال، مجلس ترقی ادب، اقبال اکیڈمی، ثقافت اسلامیہ، نیشنل بک فاؤنڈیشن نعیمیہ پبلشرز سمیت عوام میں کتاب سے دوستی کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے کوشاں درجن بھر علمی وادبی اداروں نے سٹال لگائے۔

کتاب علمی پیاس بجھانے والوں کے لیے ایسے کتاب میلوں کا انعقاد اس لئے بھی اہم ہوتا ہے کہ انہیں ایک ہی مقام سے من پسند کتابیں سستے داموں مل جاتی ہیں۔ اقبال ہال میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کانفرنس کے تناظر میں انعقاد پذیر یہ کتاب میلہ (24 اور 25 اگست) دو یوم تک جاری رہا۔

کتاب میلے کا افتتاح ڈائریکٹر جنزل اوقات اینڈ ریلیجس افیئرز پنجاب نے کیا۔ اس موقع پر محکمہ کی منصوبہ جاتی سرگرمیوں کے حوالے سے ایک ڈاکومنٹری فلم بھی دکھائی گئی۔ تقریب سے ڈاریکٹر جنزل اوقات اینڈ ریلیجس افیئرز پنجاب ڈاکٹر احسان بھٹہ کے علاوٰہ بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبد الخبیر ازاد نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محکمہ اوقاف میسر وسائل کی بنیاد پر محکمہ کے اغراض و مقاصد اور ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے۔

دیگر منصوبوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ دینی کتب کی اشاعت اور عوام کو ان کی سستے داموں فراہمی کو یقینی بنانا ہماری اولین ترجیح ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کو کتاب سے دوستی کی اہمیت سے آگاہ کرنے پر توجہ دیں تا کہ معاشرے سے جہالت کے اندھیرے چھٹ سکیں اور علم کی روشنی ہر سو پھیل سکے۔

تقریب میں کتابوں کے سٹال لگانے والوں میں تعریفی اسناد تقسیم کی گئیں اور محکمہ کی دعوت پر ایونٹ میں شرکت کا شکریہ ادا کیا۔

ISSN # : 3080-9746

”جب ایک بیٹی نے خاموشی توڑ دی“

ایک مظلوم لڑکی کی درد بھری داستان

تحریر: نوشی حنیف

شادی دو دلوں اور خاندانوں کا ملن ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی وہی رشتہ کسی لڑکی کے لیے امتحان بن جاتا ہے۔ جب شوہر نشے کا عادی ہو، ہاتھ اٹھائے اور ظلم کی ہر حد پار کرے تو اس لڑکی کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ خاموشی سے ٹوٹ جانا یا خود کو بچانے کے لیے کھڑا ہونا۔

زیر نظر کہانی ایک ایسی ہی بیٹی کی ہے جس نے تشدد برداشت کیا اور خود کے لیے کھڑے ہونے کا مشکل ترین فیصلہ کیا۔ عائشہ جو کہ ایک غریب گھر کی پڑھی لکھی اور معاملہ فہم بیٹی تھی کی شادی نعیم نامی ایک ایسے شخص سے کی گئی جو نشے کا عادی تھا۔ اس نے عائشہ کی زندگی کو تماشا بنا دیا۔ نشے کی لت صرف ایک شخص کو تباہ نہیں کرتی، پورے خاندان کا سکون برباد کر دیتی ہے۔ جب شوہر نشے میں ہو تو اس کا رویہ انتہائی جارحانہ ہو جاتا ہے۔ گالی دینا اور مار پیٹ کرنا اس کا معمول بن جاتا ہے۔

عائشہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ اس نے سوچا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا کہ شادی کے بعد صبر کرنا ہی پڑتا ہے لیکن اس پر ذہنی اور جسمانی تشدد بڑھتا گیا۔ جب عزت نفس روز کچلی جائے تو خاموش رہنا ممکن نہیں رہتا۔ سمجھ بوجھ رکھنے والی بیٹی فوراً میکے میں شکایت نہیں کرتی۔ وہ رشتہ بچانے کی بھرپور کوشش کرتی ہے

معمولی شکایات پر درگزر کرتی ہے اور والدین کو بتانے سے گریز کرتی ہے۔ وہ امید رکھتی ہے کہ معاملات سدھر جائیں گے لیکن عائشہ والا معاملہ اس کے برعکس تھا اس پر ظلم اتنا بڑھ گیا کہ حقائق چھپانا اس کے بس میں نہ رہا۔ جب معلوم ہونے پر اس کے گھر والے عائشہ کے شوہر سے بات کرنے کے لیے گئے تو لڑکے نے شرط عائد کر دی کہ عائشہ میرے گھر والوں سے معافی مانگے تو وہ اسے رکھنے کے لیے تیار ہے۔ یہ شرط حقیقت کے برعکس تھی، معافی ظلم کرنے والا مانگے، نہ کہ مظلوم لڑکی۔ عائشہ کے گھر والوں نے جواب دیا۔ حالات واضح ہو گئے کہ مسئلہ عائشہ میں نہیں، خاوند کے تلخ رویے اور گندی ذہنیت میں تھا۔

مختصر یہ کہ شادی کے صرف دو ماہ بعد عائشہ کے خلع کا فیصلہ ہو گیا جو بظاہر اتنا اسان نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ معاشرہ سوال اٹھاتا ہے۔ رشتے دار طعنے دیتے ہیں کہ اتنی جلدی کیا ہو گیا۔ لڑکی میں ہی ضرور کوئی کمی ہوگی۔ لوگوں کے ایسے جملے بیٹیوں کے دلوں کو چیر دیتے ہیں۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مجبوری میں خلع حاصل کرنا کمزوری نہیں، خود کو ظلم سے بچانے کا قانونی اور شرعی حق ہے جو اسلام نے عورت کو دیا ہے۔ تاکہ وہ ظلم سے نجات حاصل کر سکے۔ عائشہ نے سمجھا کہ اگر آج وہ چپ رہی تو کل کو یہی ظلم میرے شوہر کا معمول بن جائے گا۔ لہذا اس نے خود کو ظلم سے بچانے کے لیے خلع کا راستہ چنا۔ ہمارے ہاں بیٹی کو اکثر کہا جاتا ہے کہ صبر سے کام لو گی تو تمہارا گھر بچ جائے گا۔ لڑکے نشہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خلع لو گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ یہ جملے ظالم کو مضبوط اور مظلوم کو مزید کمزور کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ نشے کا عادی جب تک علاج کا مصمم ارادہ نہ کر لے، وہ سدھر نہیں سکتا، مزید یہ کہ جب تک قانون اور اس کا خاندان اسے نہ روکیں، وہ رکتا نہیں۔

اس موقع پر ماں باپ اور بہن بھائیوں کا کردار فیصلہ کن ہوتا ہے اگر وہ بیٹی کو حوصلہ دیں کہ تم اکیلی نہیں ہو تو وہ بہادر بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اگر طعنے ملیں کہ جلد بازی کیوں کی برداشت کر لیتی تو بیٹی اندر سے ٹوٹ جاتی ہے ہمارے معاشرے میں بیٹیوں کو سکھایا جاتا ہے کہ باپ کے گھر سے ڈولی اٹھتی ہے اور شوہر کے گھر سے جنازہ، اس بات نے بہت سی بیٹیوں کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ وہ شوہروں کے ظلم سہتی رہتی ہیں لیکن گھر والوں سے شکایت نہیں کرتیں اور اگر کوئی بیٹی ہمت ہار جائے تو خودکشی کر لیتی ہے اگر کوئی ہمت کر کے اپنے شوہر سے قانونی طریقے سے علیحدگی کا فیصلہ کر لے اور گھر واپس آ جائے تو گھر والوں کے طعنے مار دیتے ہیں۔ عائشہ کو بھی گھر واپسی کے بعد اسانی نہ تھی۔ ابتدا میں ماں باپ نے سہارا دیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے گلے لگانے والے بھی طعنے دینے لگے کہ ہماری ناک کٹ گئی ہے۔ اب تم سے کون کرے گا شادی؟ برداشت کر لیتی تو بہتر تھا۔ ایسے طعنے ذہنی تشدد سے کم نہیں ہوتے۔ وقتی سہارا ملتا تو ہے لیکن ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ یہاں وہ قبولیت حاصل نہیں جو ہونی چاہیے۔ طعنے سن کر انسان پہلے ٹوٹتا ہے پھر غصے میں اتا ہے اور اخر میں ہوش سنبھالنے کی فکر کرتا ہے۔ عائشہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ شروع میں اسے لگا کہ شاید غلطی اسی کی ہے۔ اس کی راتیں روتے گزریں۔ وہ لوگوں کی نظروں سے بچنے لگی۔ ایک دن اس نے خود سے سوال کیا کہ کیا میری غلطی یہ ہے کہ میں نے ظلم برداشت کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہی سوال زندگی میں اس کے لیے موڑ بن گیا۔ وہ سمجھ گئی کہ لوگ تو باتیں کرتے رہیں گے مگر زندگی تو اسی نے گزارنی ہے۔ خلع کے بعد زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ ایک نیا باب شروع ہو جاتا ہے۔ پہلا قدم: اپنا تحفظ اور ذہنی سکون کو یقینی بنانا۔ والدین کا گھر اس وقت سب سے بڑی پناہ گاہ ہوتا ہے۔

دوسرا قدم: نفسیاتی سہارا لینا جسمانی تشدد دماغی صحت کو متاثر کرتا ہے۔ ایسے مواقع پر کونسلنگ ضروری ہوتی ہے۔

تیسرا قدم: قانونی راستہ اختیار کرنا اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرنا۔

چوتھا قدم: خود کو دوبارہ کھڑا کرنا۔ تعلیم، ہنر یا کام-- جو بھی ممکن ہو اس لئے کہ خود مختار بننا ضروری ہوتا ہے۔ بار بار دھوکہ کھانے کے بعد دل میں ایک تلخی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بیٹی کو بھی شادی سے نفرت ہو گئی جو کہ یہ فطری عمل ہے۔ ایک رشتہ جو کہ سکون دینے کے لیے تھا وہی زخم دے تو دل ٹوٹ جاتا ہے لیکن نفرت ہمیشہ کے لیے کسی مسئلے کا حل نہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اسے سمجھ ائی کہ مسئلہ شادی کے فیصلے میں نہیں، غلط شخص کے انتخاب میں تھا۔ اب وہ شادی سے ڈرتی تو ہے مگر زندگی سے نہیں۔ اس کا ماننا ہے کہ اگر کبھی دوبارہ رشتہ بنے بھی تو صرف عزت اور برابری کی بنیاد پر بننا چاہیے۔ سچا سہارا وہی ہوتا ہے جو طعنوں کا باعث بننے کے بجائے ہاتھ تھام لے۔ یہ کہانی ناکامی کی نہیں، ہمت کی ہے۔ ایک بیٹی نے دو ماہ میں سمجھ لیا تھا کہ ظالم کے ساتھ زندگی بسر کرنا عقل مندی نہیں۔ اس نے تشدد برداشت کیا۔ طعنے سہے لیکن خود کو کھونے سے بچا لیا۔ شادی کا مقصد سکون کا حصول ہوتا ہے، نہ کہ قید۔ جہاں سکون ختم ہو جائے وہاں رشتے کو نئے سرے سے دیکھنا ہی عقل مندی ہے، کمزوری نہیں اور سب سے بڑی جیت یہ ہے کہ اب وہ کسی کی محتاج نہیں بلکہ اپنے فیصلے خود کرتی ہے۔

ISSN # : 3080-9746

12 ربیع الاوّل کا تاریخی انقلاب:
اخلاقی و معاشرتی بحران اور پیغامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تحریر: صاحبزادہ ذیشان کلیم معصومی

مہینوں میں سے وہ ماہ سب سے بابخت اور رفعت مآب ہے، دنوں میں سے وہ دن سب سے مبارک اور مسعود ہے، اور ۱۲ ربیع الاول کے وہ قدسی لمحات کس قدر جلیل القدر اور باعثِ خیر و برکت ہیں جن لمحات میں سرورِ انبیاء، حبیبِ کبریا، سیدِ ولدِ آدم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اقلیمِ وجود میں قدم رنجہ فرما کر ظلمت کدۂ عالم کو انوارِ حق سے سرشار کر دیا! آج ہوائیں اس قدر خنک، معطر اور روح پرور کیوں ہیں؟ آفتاب کی کرنوں میں حیات آفریں جلوے اور مہتاب کی چاندنی میں یہ سحر انگیز نکھار کس لیے ہے؟ کائنات کا ذرہ ذرہ، یہ سمتیں، یہ افق، یہ فضائیں، یہ صبحیں اور شامیں کس جلیل القدر ہستی کی آمد کا مژدۂ جانفزا سنا رہی ہیں؟ یہ اس ذاتِ کامل اور محبوبِ یزدان کی آمد کا جشنِ ازل ہے جس کے تصدق اور طفیل ہی اس کاخِ ہستی کو وجود، نور، حیات اور شرف کی تمام تر نعمتیں عطا کی گئیں۔ یہ وہ ذاتِ بابرکات ہے جس پر کائنات کا خالق و مالک، پروردگارِ حقیقی اور ربِ العزت خود درود و سلام بھیجتا ہے، جس پر ملائکہِ مقربین درود کی ڈالیاں نچھاور کرتے ہیں اور انس و جن شب و روز سلام کے قدسی نذرانے پیش کرتے ہیں۔ جس مبارک دن کے صدقے ایام کو شرف ملا، جس نورانی رات کے طفیل زمان و مکان کو تجلیات نصیب ہوئیں، اور جس ذاتِ والا صفات کے وجودِ مسعود کے بغیر نہ نظامِ شمسی ہوتا نہ کہکشائیں — کہ "وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو، جان ہیں آپ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے"۔

آمدِ مصطفیٰ ﷺ کی اس عظیم الشان اور درخشان گھڑی میں کائنات کی ہر تخلیق نغمہ سرا ہے؛ انسان مرحبا کہتے ہیں، فلک شگاف پہاڑ اور وادیاں مرحبا پکارتی ہیں، ہوائیں اور فضائیں مرحبا کا ترانہ گاتی ہیں، چاند اور ستارے جھک کر سلامی دیتے ہیں، اور ان سب سے بڑھ کر خالقِ کائنات اپنے پیارے محبوب کو "مرحبا" کی نویدِ جاوید سناتا ہے! آمدِ مصطفیٰ، مرحبا مرحبا! تاریخِ عالم گواہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کی وہ جادوئی صبح، جب آفتابِ رسالت کی پہلی ضیا کائناتِ ہستی پر نمودار ہوئی، تو کفر و باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ صحیح روایات شاہد ہیں کہ شبِ ولادتِ باسعادت ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے، فارس کا ایک ہزار سال سے دہکتا ہوا آتش کدہ اچانک بجھ کر راکھ ہو گیا، بحیرۂ ساوہ کا پانی راتوں رات خشک ہو گیا، اور سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے بطنِ اطہر سے ایسا نور ساطع ہوا جس نے شام و بصرہ کے محلات کو روشن کر دیا۔ پھر یہی ۱۲ ربیع الاول کا مبارک دن تھا جب سفرِ ہجرت کی تکمیل پر آپ ﷺ مدینہ منورہ کے مضافات میں مقامِ قبا پر جلوہ افروز ہوئے، جہاں اسلام کی پہلی باقاعدہ عمارت "مسجدِ قبا" کی بنیاد رکھی گئی اور وادیِ بنو سالم میں پہلا باقاعدہ خطبہ و نمازِ جمعہ قائم کر کے اسلامی اجتماعیت اور اخوت کا تاریخی سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

اگر حضرتِ یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا ارمغان ملا تو وہ اسی شمعِ نبوت کا ایک پرتو تھا، حضرتِ موسیٰ علیہ السلام

ISSN # : 3080-9746

کے نطق کو " کلیم اللہ " کی رفعت ملی تو وہ اسی لسانِ صدق کی تجلی کا انعکاس تھا، اور اگر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے انفاسِ قدسی سے مردوں کو زندگی اور بیماروں کو شفا نصیب ہوئی تو وہ بھی اسی روحِ کائنات کے اعجاز کا فیض تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو تاریخ کے مختلف ادوار میں جو معجزات اور رفعتیں عطا کی گئیں، وہ سب بطفیلِ سیدِ عالم ﷺ اور انہی کے نورِ مبارک کا تصدق تھیں۔ خالقِ اکبر نے اپنے اس محبوبِ مکرم کا سراپا ایسا معجز نما بنایا کہ قرآنِ مجید نے ان کے رخِ انور کی قسم "وَالضُّحیٰ" اور زلفِ عنبریں کو "وَاللَّیلِ" کا لباس پہنایا، اور زبانِ حق ترجمان سے نکلنے والے ہر لفظ کو وحیِ الٰہی کا درجہ دیا۔ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے گھر ان کے قدم رنجہ فرمانے سے برکتوں کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس نے افلاس کی تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ بچپن کی پاکیزگی سے لے کر جوانی تک، ان کی صداقت اور امانت کا وہ غلغلہ ہوا کہ مکہ کے دوست اور دشمن سبھی انہیں "صادق" اور "امین" پکارنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر جب 6666 آیات پر مشتمل قرآنِ مجید نازل ہوا—وہ پرشکوہ کلام کہ اگر کسی سخت جان پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا— تو سینِ مصطفیٰ ﷺ نے اس بارِ گرانِ الٰہی کو کمالِ حلم اور قوت سے اپنے اندر سمو کر انسانیت کو توحیدِ باری تعالیٰ کی روشنی عطا کی۔

آپ ﷺ نبی بطورِ ہادی بن کر آئے تو گمراہی کی گھٹاؤں میں ڈوبی انسانیت کو صراطِ مستقیم دکھایا؛ نبی بطورِ معلم جلوہ گر ہوئے تو "انما بعثت معلما" کے تحت جہالت کے اندھیروں کو دور کر کے روحوں کو علم و حکمت سے منور کیا؛ نبی بطورِ مدبرِ اعظم اور سیاست دان کا روپ دھارا تو میثاقِ مدینہ، صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ کے ذریعے امن و حکمتِ عملی کی تاریخی دستاویزات رقم کیں؛ نبی بطورِ سپہ سالار نبردِ آزما معرکوں میں اترے تو شجاعت، مروت اور معافی کے وہ نادر معیار قائم کیے کہ جنگ کی ہولناکیوں میں جلیل القدر صحابہ بھی آپ ﷺ کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے؛ اور نبی بطورِ عادلِ اعظم، شفیق باپ، مہربان شوہر، اور خیر خواہِ انسانیت بن کر سامنے آئے تو دنیا کے ہر مظلوم، یتیم، مسکین اور غلام کو عزت و مساوات کی ابدی سند عطا کر دی۔ پھر اس ذاتِ گرامی سے وابستہ ہر نسبت کو ربِ کریم نے عظمتوں کا تاج پہنایا؛ ازواجِ مطہرات تمام مومنین کی مائیں قرار پائیں، کاشان؟ اقدس کو " آیتِ تطہیر " کے ذریعہ طہارت کی گواہی ملی، سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا جنتی عورتوں کی سردار بنیں، اور سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ٹھہرائے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت بلال، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوبکر کا صدق، حضرت عمر کا عدل، حضرت عثمان کی سخاوت اور حضرت علی کا جلال اسی دامنِ نبوت کی تربیت کا فیضان تھا جس نے دنیا پر عدل کا نظام قائم کیا۔

آج کا یہ مقدس دن امتِ مسلمہ کے نام ایک عظیم پیغام، تجدیدِ عہد، احتسابِ نفس اور فروغِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا عالمگیر تقاضا ہے۔ موجودہ دور کے الم ناک حالات کے تناظر میں جب ہم اپنے زوال پذیر معاشرے پر نظر دوڑاتے ہیں تو روح کانپ اٹھتی ہے۔ ہمارے سماج سے شرم و حیا، عفت، اور اخلاقی قدریں رخصت ہو رہی ہیں، فحاشی اور بے باکی کا سیلاب ہمیں بہا کر لے جا رہا ہے، اور حلال و حرام کی تمیز یکسر ختم ہو چکی ہے۔ ہم رزقِ حرام کی دلدل میں دھنس کر دعائیں مقبول ہونے کی توقع رکھتے ہیں، حالانکہ ہمارے آقا، رحمتِ عالم ﷺ کا عالم یہ تھا کہ آپ نے زندگی بھر امانت اور طہارتِ رزق کا وہ معیار قائم کیا جس کی مثال کائنات میں نہیں۔ ہم نے امانت، صداقت، حیا، اور عدل کی ان تمام نبوی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے جو کسی بھی زندہ قوم کی روح ہوا کرتی ہیں۔

اے امتِ مسلمہ! گلیوں، بازاروں اور شاہراہوں کو سجانا، سبز پرچم لہرانا اور برقی قمقموں سے چراغاں کرنا محبت کا فطری اور خوبصورت تقاضا ہے، مگر اس ظاہری زیب و آرائش کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے اندر کے ویرانے پر بھی نظر ڈالنی ہوگی۔ اگر ہمارے دل حسد، بغض، طمع، تفرقہ بازی اور دنیا پرستی کی تاریکی میں ڈوبے رہیں، ہماری مساجد سجدہ گزاروں سے محروم رہیں اور ہمارے رویوں میں اخلاقِ نبوی کی رمق نہ ہو، تو صرف نعروں اور چند رسموں سے نجات ممکن نہیں۔ سچی غلامی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے دل، اپنی روح اور اپنے اخلاق کو سنتِ مصطفوی ﷺ کے نور سے معطر کریں۔ اپنے معاشرے کو فحاشی اور رزقِ حرام سے پاک کر کے حیا اور رزقِ حلال کا گہوارہ بنائیں۔ امتِ مسلمہ کے نام ربیع الاول کا یہی آفاقی پیغام ہے کہ باہمی نفرتوں کو مٹا کر اخوت، اتحاد، اور امن کے سفیر بنیں، اپنی نمازوں کی پابندی کریں، اور اپنے کردار کو ایسا آئینہ دار بنائیں کہ دنیا ہمیں دیکھ کر سیرتِ مصطفوی ﷺ کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے، اور ہم پورے ایقان کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرض کر سکیں:

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلینِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں! تاجدار ہم بھی ہیں

BUSINESS CARD
FAVOR BOX
BROCHURS
TISSUE BOX
POSTER
CAPS
CERTIFICATES
BOOKS & COPIES
TEA MUG
STICKERS
ENVELOPES
PEN
WEDDING CARDS
FILE FOLDER
FLYERS
PRICE TAG
GOODIE BAGS
FLEX STANDEE
PVC CARDS
KEY CHAIN
AL MAALIK ART
GROUP
LAHORE - PAKISTAN
+92-311-149-1458
www.almaalikartgroup.com

ADEEL AHMAD KHAN
CEO

ISSN # : 3080-9746

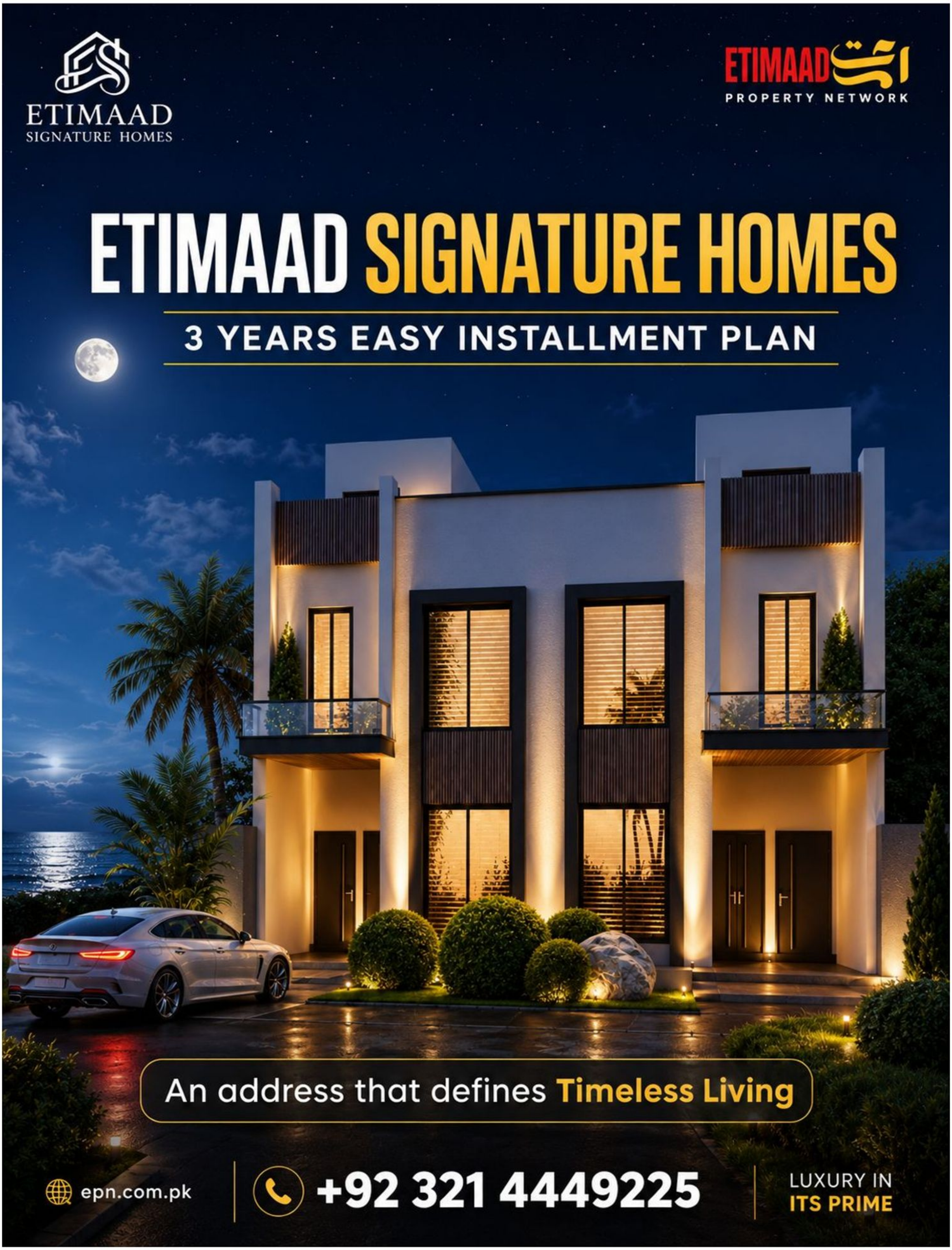

ISSN # : 3080-9746

ISSN # : 3080-9746

چارجنگ پورٹ یا سائبر جال؟

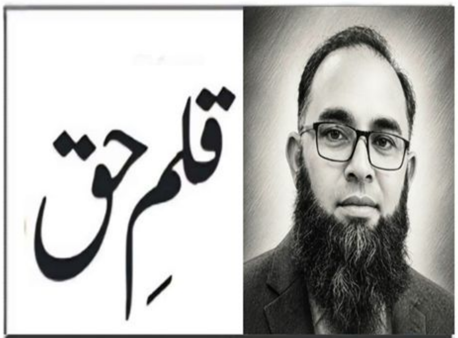

انجینئر بخت سید یوسفزئی
engr.bakht@gmail.com

آج کے جدید دور میں اسمارٹ فون ہماری روزمرہ زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے۔ بینکنگ، سوشل میڈیا، ای میل، تصاویر، رابطہ نمبرز اور دیگر حساس معلومات ہمارے موبائل فون میں محفوظ ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فون کو محفوظ رکھنا صرف ڈیوائس کی حفاظت نہیں بلکہ ہماری ذاتی معلومات اور ڈیجیٹل شناخت کی حفاظت بھی ہے۔

اکثر سفر، شاپنگ سینٹرز، ایئر پورٹس، ریلوے اسٹیشنز، ہوٹلوں اور دیگر عوامی مقامات پر موبائل فون چارج کرنے کے لیے یو ایس بی چارجنگ پورٹس دستیاب ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ سہولت بہت مفید محسوس ہوتی ہے، لیکن بعض حالات میں یہی سہولت سائبر سیکیورٹی کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔

اس خطرے کو عام طور پر ''جوس جیکنگ'' (Juice Jacking) کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح سے مراد ایسی صورتحال ہے جس میں کسی مشکوک یا غیر محفوظ USB کنکشن کے ذریعے موبائل فون کو چارج کرنے کے ساتھ ساتھ ڈیٹا تک غیر مجاز رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

عام طور پر USB کنکشن صرف بجلی فراہم کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ بعض صورتوں میں ڈیٹا کی منتقلی بھی کرسکتا ہے۔ یہی بنیادی بات جوس جیکنگ کے ممکنہ خطرے کو سمجھنے کے لیے اہم ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے فون کو کسی نامعلوم USB پورٹ سے جوڑتا ہے تو فون اور دوسرے ڈیوائس کے درمیان ڈیٹا کنکشن قائم ہونے کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر فون کی سیکیورٹی کمزور ہو، صارف غیر ضروری اجازت دے دے یا سسٹم میں کوئی خامی موجود ہو تو حملہ آور معلومات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرسکتا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ جوس جیکنگ کو اس طرح نہ سمجھا جائے کہ ہر عوامی USB چارجنگ پورٹ لازماً خطرناک ہوتا ہے۔ حقیقت میں خطرہ اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ چارجنگ پورٹ یا کیبل کس طرح ترتیب دی گئی ہے اور فون کی سیکیورٹی کس حد تک مضبوط ہے۔ ممکنہ طور پر متاثر ہونے والی معلومات میں فون میں محفوظ تصاویر، فائلیں، رابطہ نمبرز، پیغامات یا دیگر ڈیٹا شامل ہوسکتا ہے۔ بعض حملوں میں صارف کو کسی نقصان دہ لنک، فائل یا ایپ کی طرف بھی لے جانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ایک اور اہم خطرہ یہ ہے کہ بعض لوگ فون کو چارج کرتے وقت اسکرین پر ظاہر ہونے والے پیغامات کو بغیر پڑھے ''Allow'' یا کسی دوسرے اجازت کے بٹن پر دبا دیتے ہیں۔ اگر فون کسی ڈیٹا کنکشن کے بارے میں اجازت مانگے تو اسے نظر انداز کرنے کے بجائے غور سے دیکھنا چاہیے کہ اجازت کس چیز کے لیے طلب کی جا رہی ہے۔ نامعلوم USB کیبل بھی خطرے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہر کیبل صرف بجلی فراہم کرنے کے لیے نہیں ہوتی؛ کچھ کیبلز ڈیٹا منتقل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔ اس لیے ایسی کیبل استعمال کرنے سے گریز کرنا بہتر ہے جس کے ماخذ یا مالک کے بارے میں یقین نہ ہو۔ ماہرین عام طور پر مشورہ دیتے ہیں کہ عوامی جگہوں پر فون چارج کرنے کے لیے اپنا چارجر اور مناسب پاور اڈاپٹر استعمال کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو USB پورٹ کے بجائے عام بجلی کے ساکٹ میں اپنا چارجر لگا کر فون چارج کرنا زیادہ محفوظ طریقہ ہے۔

پاور بینک بھی ایک نسبتاً آسان متبادل ہوسکتا ہے، خصوصاً سفر کے دوران۔ اپنا پاور بینک ساتھ رکھنے سے کسی نامعلوم USB پورٹ پر انحصار کم ہو جاتا ہے اور فون کی بیٹری ختم ہونے کی صورت میں ایک محفوظ متبادل دستیاب رہتا ہے۔ اگر کسی عوامی USB پورٹ کو استعمال کرنا ناگزیر ہو تو فون کی اسکرین پر آنے والی ہر اجازت کو احتیاط سے پڑھیں۔ اگر فون پوچھے کہ کیا آپ ڈیٹا منتقل کرنا چاہتے ہیں یا کسی دوسرے ڈیوائس پر اعتماد کرنا چاہتے ہیں تو بغیر سمجھے اجازت نہ دیں۔ جدید اسمارٹ فونز میں متعدد سیکیورٹی خصوصیات موجود ہوتی ہیں جو صارف کو مشکوک کنکشنز اور غیر ضروری رسائی سے بچانے میں مدد دیتی ہیں۔ اس لیے فون کا آپریٹنگ سسٹم اور سیکیورٹی اپ ڈیٹس باقاعدگی سے انسٹال کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے علاوہ فون پر مضبوط پاس کوڈ، فنگر پرنٹ یا دیگر دستیاب لاک سیکیورٹی استعمال کرنی چاہیے۔ اگر فون چوری یا کسی غیر مجاز شخص کے ہاتھ لگ جائے تو مضبوط لاک اس میں موجود معلومات کے تحفظ میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

صارفین کو اپنے فون میں موجود غیر ضروری USB یا فائل شیئرنگ کی سہولیات کو بھی فعال رکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

ISSN # : 3080-9746

خاص طور پر ایسی صورت میں جب فون کسی نامعلوم ڈیوائس سے منسلک ہو رہا ہو، غیر ضروری ڈیٹا شیئرنگ کو بند رکھنا زیادہ محفوظ ہے۔ اگر فون کسی مشکوک USB پورٹ سے منسلک کرنے کے بعد غیر معمولی رویہ اختیار کرے، مثلاً غیر متوقع اجازتیں طلب کرے یا کوئی مشکوک پیغام دکھائے، تو کنکشن فوراً منقطع کر دینا بہتر ہے۔ بعد ازاں فون کی سیکیورٹی سیٹنگز اور انسٹال شدہ ایپلی کیشنز کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اپنے فون میں حساس معلومات کی حفاظت کے لیے باقاعدہ بیک اپ بھی ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے فون خراب ہو جائے، چوری ہو جائے یا اس میں موجود ڈیٹا متاثر ہو جائے تو محفوظ بیک اپ سے اہم معلومات دوبارہ حاصل کی جا سکتی ہیں۔

بینکنگ اور مالیاتی ایپس استعمال کرنے والے افراد کو خاص طور پر محتاط رہنا چاہیے۔ کسی بھی مشکوک سرگرمی، غیر معمولی لاگ اِن، نامعلوم ایپ یا غیر متوقع بینکنگ اطلاع کی صورت میں فوری طور پر متعلقہ سروس کی سیکیورٹی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سائبر سیکیورٹی صرف بڑی کمپنیوں یا حکومتی اداروں کا مسئلہ نہیں۔ عام صارف کا موبائل فون بھی حملہ آوروں کے لیے قیمتی ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں ذاتی معلومات، تصاویر، رابطے، ای میلز اور دیگر حساس ڈیٹا موجود ہوتا ہے۔

جوس جیکنگ سے بچنے کا بنیادی اصول بہت سادہ ہے: جس USB پورٹ، کیبل یا ڈیوائس پر اعتماد نہ ہو، اسے اپنے فون سے منسلک نہ کریں۔ چند منٹ کی سہولت کے لیے اپنی ذاتی معلومات کو غیر ضروری خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں۔

اگر فون کی بیٹری ختم ہونے والی ہو تو بہتر ہے کہ اپنا چارجر، پاور بینک یا محفوظ پاور ساکٹ استعمال کیا جائے۔ اسی طرح فون کو چارج کرتے وقت غیر ضروری USB کنکشن اور ڈیٹا ٹرانسفر سے گریز کرنا ایک اچھی سیکیورٹی عادت ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ٹیکنالوجی ہماری زندگی کو آسان بناتی ہے، لیکن سہولت کے ساتھ ذمہ داری بھی ضروری ہے۔ عوامی USB چارجنگ پورٹس کو مکمل طور پر خطرناک سمجھنے کے بجائے محتاط اور سمجھ دار صارف بننا زیادہ بہتر ہے۔ آج کے دور میں ذاتی معلومات کی حفاظت صرف پاس ورڈ رکھنے تک محدود نہیں رہی۔ ایک معمولی USB کنکشن بھی بعض حالات میں سیکیورٹی کا مسئلہ بن سکتا ہے۔ اس لیے اپنے فون کو نامعلوم چارجنگ پورٹس، مشکوک کیبلز اور غیر ضروری ڈیٹا کنکشنز سے دور رکھیں، اجازتیں سوچ سمجھ کر دیں اور ہمیشہ یاد رکھیں: چارجنگ ضروری ہے، لیکن ڈیٹا کی حفاظت اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

رپورٹ : سید علی بخاری

پاکستان ایسوسی ایشن فار ایسٹرن میڈیسن (پائم)

طبِ یونانی کے اصول وتعلیمات اسلامی اور فطری اصولوں کے مطابق ہیں۔ پروفیسر عبدالحنان

"تذکارِ حکمت" شہید حکیم محمد سعید کا قائم کردہ بے مثال فورم ہے۔ حکیم راحت نسیم سوہدروی

پاکستان ایسوسی ایشن فار ایسٹرن میڈیسن (پائم) لاہور کے زیرِ اہتمام ہمدرد مرکز لاہور میں "تذکارِ حکمت" کی خصوصی نشست منعقد ہوئی، تقریب کی صدارت حکیم پروفیسر ڈاکٹر عبدالحنان نے کی، جبکہ ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی پاکستان ڈاکٹر عبدالروف رفیقی مہمانِ خصوصی تھے۔ حکیم رانا عابد حسین نے "صحتِ عامہ، اسلام اور جدید میڈیکل سائنس کا تقابلی جائزہ" کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ تقریب سے حکیم راحت نسیم سوہدروی، طبیبہ نبیلہ

عمران، حکیم سعید صابر، حکیم محمد سجاد، انجینئر محمد آصف، ڈاکٹر امجد چشتی، حکیم حسان شہباز اور سید علی بخاری نے بھی اظہارِ خیال کیا۔ سید علی بخاری نے گزشتہ روز انتقال کر جانے والے ڈاکٹر خلیل انصاری کی طبی، تدریسی اور فنی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور ان کے لیے بلندیِ درجات کی دعا کی۔ اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ طبِ یونانی فطری طریقہ علاج ہے، جس کی اساس نباتات اور فطرت کے اصولوں پر قائم ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے اسلام اور سائنس میں کوئی تضاد نہیں؛ جدید سائنس نے صحت وحفظانِ صحت کے حوالے سے اسلامی تعلیمات کی متعدد پہلوؤں سے تائید کی ہے۔ مقررین نے کہا کہ اسلام محض روحانیت کا سرچشمہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات بھی ہے۔ قرآنِ حکیم اور سیرتِ رسول ﷺ میں حفظانِ صحت کو روزمرہ زندگی کا اہم حصہ قرار دیا گیا ہے۔ صبح جلد بیدار ہونا، رات کو بروقت سونا، مسواک اور صفائی کا اہتمام، اعتدال کے ساتھ غذا کا استعمال، بسیار خوری سے اجتناب اور طہارت و پاکیزگی ایسے اصول ہیں جو انسان کو صحت مند زندگی گزارنے میں مدد دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام میں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے، جبکہ وضو، ہاتھوں کی صفائی اور کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونے جیسی تعلیمات صحتِ u عامہ کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہیں۔ اسی طرح قیلولہ، متوازن غذا اور حرام اشیا وشراب سے اجتناب بھی صحت مند معاشرے کے لیے اہم رہنما اصول ہیں۔ مقررین نے عبادات کے روحانی فوائد کے ساتھ ان کے جسمانی فوائد کا بھی ذکر کرتے ہوئے کہا کہ نماز انسان میں نظم وضبط، طہارت اور ذہنی سکون پیدا کرتی ہے، جبکہ روزہ ضبطِ نفس اور اعتدالِ غذا کی تربیت دیتا ہے۔ تاہم عبادات کے طبی فوائد کو دینی فرائض کا متبادل نہیں بلکہ ان کے ساتھ حاصل ہونے والے ضمنی فوائد کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ اپنے کلماتِ استقبالیہ میں حکیم راحت نسیم سوہدروی نے کہا کہ "تذکارِ حکمت" شہید حکیم محمد سعید کا قائم کردہ ایسا فورم ہے جس نے صحت کے مسائل کے حل، طب کے فروغ اور حکما، ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کے درمیان فکری اتحاد کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ تقریب میں حکیم حارث نسیم نے نظامت کے فرائض انجام دیے، جبکہ حکیم رانا عابد حسین کو پی ایچ ڈی مکمل کرنے پر ہمدرد کی جانب سے وثیقہ پیش کیا گیا۔ مقررین نے اس امر پر زور دیا کہ صحت مند اقوام ہی ترقی اور سربلندی حاصل کرتی ہیں؛ صحت سے محروم قوم پائیدار ترقی نہیں کر سکتی۔ اس لیے صحتِ عامہ، متوازن غذا، صفائی، احتیاط اور مؤثر علاج کو قومی ترجیحات میں شامل کرنا ضروری ہے۔ تقریب میں اطبا، ڈاکٹروں، ماہرینِ صحت، حکما اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

ISSN # : 3080-9746

ٹرمپ کی جنونیت

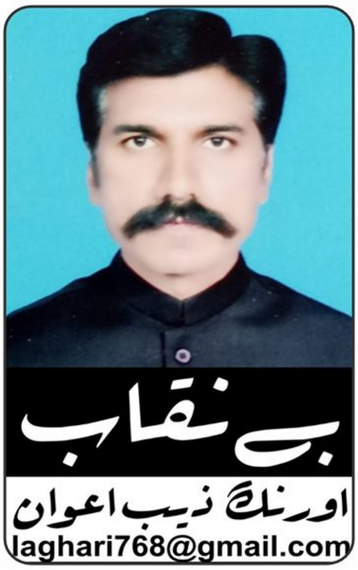

امریکہ کو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے. ایشیائی ممالک میں یہ تصور پایا جاتا ہے. کہ امریکہ ہم سے ترقی میں سو سال آگے ہے. امریکی قوم خوشحال زندگی گزارتی ہے. دنیا اس کی ترقی پر رشک کرتی ہے. اس کے باوجود امریکی حکمران ہمیشہ دنیا میں انسانیت کے قتل عام میں ملوث رہے ہیں. موجودہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اس سلسلہ میں سابقہ صدور سے برتری رکھتے ہیں. انہوں نے اپنے دونوں دور اقتدار میں انسانیت کا جس قدر ناحق خون بہایا ہے. اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی. خود کو طاقتور ثابت کرنے کے لیے کسی کا خون بہانا ضروری نہیں. آپ کا حسن سلوک بھی کسی کے دل کو فتح کرسکتا ہے. آپ کی ترقی پر دنیا حیران و پریشان ہے. آپ کے پاس تمام وسائل ہیں. جو ترقی یافتہ ممالک کے پاس ہونے چاہیے. پھر آپ دنیا میں جنگ و جدل کا ماحول کیوں بنائے رکھتے ہیں. کیا آپ کرائے کے قاتل بن کر کسی کی منشاء کی تکمیل کر رہے ہیں. جنگ کسی بھی مسئلہ کا حل نہیں. جنگ میں دونوں فریقین کا نقصان ہوتا ہے. ایک فریق کا جانی و مالی نقصان ہوتا ہے. تو دوسرے کے معاشی وسائل کا ضیاع ہوتا ہے. اپنی وقتی کامیابی پر جشن منانے والے بھی معاشی طور پر عدم استحکام کا شکار ہو جاتے ہیں. امریکہ اس وقت شدید ترین مالی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے. وہ ایران کو کمزور کرنے کے لیے اس سے کبھی جنگ تو کبھی اس پر معاشی پابندیاں عائد کرتا ہے. اس کو ایران سے خطرہ کیا ہے. یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے. اگر وقتی طور پر یہ بات مان بھی لی جائے. کہ ایران اٹیمی طاقت حاصل کر لیتا ہے تو کیا ہوگا. دنیا میں پہلے بھی سات اٹیمی طاقتیں موجود ہیں. انہوں نے امریکہ کا کیا نقصان کر دیا ہے. اٹیمی طاقت حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں. ہر قوم کو حق حاصل ہے. کہ وہ دفاعی لحاظ سے خود کو مضبوط کرے. اگر ایران بھی ایسا کر رہا ہے. تو اس میں اچنبھے کی بات کیا ہے. پاکستان بھی اٹیمی طاقت ہے. اس نے یہ طاقت کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے حاصل نہیں کی. بلکہ اپنے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے اٹیمی طاقت حاصل کی ہے. امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو جنونیت کی کیفیت سے باہر نکل کر سوچنا ہوگا. کہ ان کے ملک و قوم کے لیے کیا بہتر ہے. کیا ہر وقت جنگی صورتحال میں مبتلا رہنا اس کے ملک و قوم کے لیے بہتر ہے. یا امن بھائی چارگی کی فضا میں بہتری ہے. دنیا امریکہ کی ترقی کی وجہ سے اس کی عزت کرتی ہے. نہ کہ خوف کی وجہ سے. جس دن امریکی حکمران اس بات کو سمجھ جائے گے. دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی. اپنی طاقت اور خوف سے کوئی کسی سے وقتی عزت تو حاصل کرسکتا ہے. مگر دیرپا نہیں. دنیا میں جس جس حکمران نے بھی جنونیت کا مظاہرہ کیا ہے. اس کے ملک و قوم کو نقصان ہی پہنچا ہے. امن و اشتی کا درس دینے والے ممالک کی عوام ہمیشہ سکون کی نیند سوتی ہے. جبکہ اس کے مقابلہ میں جنگ کا ماحول پیدا کرنے والے ممالک کی عوام ہمیشہ بے سکونی کا شکار رہتی ہے. کسی کے گھر کو آگ لگا کر انسان خود بھی چین سے نہیں سوسکتا. جلتے گھر سے اڑنے والی راکھ اس کے آشیانہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے. دنیا میں مقابلہ بازی ہونی چاہیے. ہتھیاروں سے نہیں. بلکہ ٹیکنالوجی، علم، معاشی و معاشرتی تجارت، فنون لطیفہ کے میدان میں ایک دوسرے کو مات دینے کا مقابلہ ہونا چاہیے. ماضی میں بھی کئی حکمرانوں نے اپنی جنونیت کی وجہ سے لاکھوں بے گناہ

انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے. آج ان حکمرانوں کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا جاتا. بلکہ قاتل، پاگل، جنونی کے القابات سے پکارا جاتا ہے. ڈونلڈ ٹرمپ ایک ترقی یافتہ ملک اور پڑھی لکھی قوم کا حکمران ہے. پھر یہ کس راستہ پر گامزن ہو گیا ہے. جس کا انجام سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہیں. ایرانی عوام کسی کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں. بلکہ اپنی سلامتی کا دفاع کرنا ہے. اگر اتنی سے بات کو امریکہ سمجھ جائے. تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی. ہر وقت خود کو اور اپنی قوم کو جنگی ماحول میں مبتلا کیے رکھنا کسی صورت عقل مندی نہیں. خدارا ہوش کے ناخن لیں. خود کو اور دنیا کو سکون و چین سے جینے دیں.

ISSN # : 3080-9746

یوم آزادی کی مناسبت سے پاک ڈونرز کے زیراہتمام 34ویں بلڈ ڈونیشن کیمپ کا انعقاد، کمیونٹی کی بھرپور شرکت

کویت (محمد عرفان شفیق، کویت) پاک ڈونرز نے رضا کارانہ خون کے عطیات کے ذریعے انسانیت کی خدمت کرنے کے اپنے دیرینہ عزم کو جاری رکھتے ہوئے، سینٹرل بلڈ بنک، جابریہ میں اپنی 34ویں بلڈ ڈونیشن مہم کا کامیابی سے انعقاد کیا۔ اس مہم کو کمیونٹی کی جانب سے زبردست رسپانس ملا، جس میں 160 سے زائد عطیہ دہندگان نے خون کا عطیہ دینے کے لیے اندراج کرایا، جس نے ایک بار پھر ہمدردی، اتحاد اور سماجی ذمہ داری کے جذبے کا مظاہرہ کیا جو پاک ڈونرز کے مشن کے مرکز میں ہے۔

اس کیمپ کی خاص بات الفروانیۃ گورنریٹ سے گورنر کے نمائندے اور ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز خالد الرشیدی کی شرکت تھی جو کویت میں موجود پاکستانی اور کویتی کمیونٹی کے مابین دوستی کو مزید تقویت بخشتی ہے۔ اسکے علاوہ سفارتخانہ پاکستان کویت سے کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر اور الاھلیۃ انٹیگریٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر محمود رزوق نے خصوصی طور پر شرکت کی، جنکی موجودگی نے اس عظیم انسان دوست اقدام میں بڑا اعزاز اور اہمیت بڑھا دی۔

پاک ڈونرز ایگزیکٹو کمیٹی (EC) کی ٹیم کی جانب سے معزز مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا، جنہوں نے کویت میں رضا کارانہ خون کے عطیات کے اقدامات کے لیے مسلسل حوصلہ افزائی اور حمایت کے لیے شکریہ ادا کیا۔

پاک ڈونرز کے خواتین ونگ کی نمائندگی کرتے ہوئے مس شائستہ زاہد نے سفارت خانہ پاکستان کی جانب سے مادام سعدیہ سلطان کا پرتپاک استقبال کیا اور انسانی ہمدردی کے مقصد میں شامل ہونے اور مدد کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کیمپ انچارج حفیظ اللہ خان نے کمیونٹی کی جانب سے زبردست ردعمل کو سراہا۔

"اس کیمپ کی کامیابی ہماری کمیونٹی کی فراخدلی اور انسانی ہمدردی کے جذبے کی عکاسی کرتی ہے۔ خون کا عطیہ دینے کے لیے آگے آنے والے ہر فرد نے جان بچانے میں اپنا حصہ ڈالا۔ ہم اپنے مہمانوں، رضا کاروں، معاونین اور سب سے بڑھ کر اپنے خون کے عطیہ دہندگان کے تہہ دل سے مشکور ہیں جنہوں نے 34ویں خون کے عطیہ کی مہم کو پاک ڈونرز کے لیے ایک اور یادگار سنگ میل بنایا۔"

انچارج کوآرڈینیٹر عبدالوحید جابر نے تمام معزز مہمانوں، سفارت خانہ پاکستان کے نمائندوں، کمیونٹی نمائندگان، میڈیا کے نمائندوں، سپورٹرز اور رضا کاروں کو تہہ دل سے خراج تحسین پیش کیا جن کے تعاون نے اس مہم کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے عطیہ دہندگان کے لیے خصوصی تعریف کی، انہیں "دن کے ہیرو" کے طور پر بیان کیا۔ "ہم ہر مہمان، میڈیا کے نمائندے اور رضا کار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہمارے ساتھ کھڑے تھے۔ سب سے بڑھ کر، ہمارا خصوصی شکریہ اس دن کے حقیقی ہیروز یعنی ہمارے خون دینے والوں کا ہے۔ خون دینے کا ان کا بے لوث عمل ان لوگوں کے لیے زندگی کا تحفہ ہے جن سے وہ کبھی نہیں مل سکتے، اور یہ ان کی سخاوت ہے جو ہمارے مشن کو حقیقی معنی دیتی ہے۔"

پاک ڈونرز نے اپنی ایگزیکٹو کمیٹی، رضا کاروں اور خواتین ونگ کی لگن کو خراج تحسین پیش کیا، جن کی اجتماعی کوششوں نے مہم کے ہموار اور کامیاب انعقاد کو یقینی بنانے میں مدد کی۔ تنظیم نے رضا کارانہ خون کے عطیہ کو فروغ دینے اور کویت میں مختلف کمیونٹیز کے درمیان انسانی خدمت کے کلچر کو مضبوط بنانے کے اپنے عزم کا اعادہ کیا۔

پاک ڈونرز اس عزم کا اعادہ کرتا ہے کہ ہر خون عطیہ کرنے والا زندگی بچانے والا ہے، اور ہر عطیہ انسانیت کا طاقتور اظہار ہے۔ اس کے ساتھ تنظیم نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ ہم اپنے وطن ثانی کویت کے لیے اپنی حمایت کا وعدہ کرتے ہوئے ضرورت کے وقت میں، ہم واقعی ایک ساتھ کھڑے ہیں۔

ISSN # : 3080-9746

کویت: پاکستان کے 79ویں یوم آزادی کے موقعہ پر شاندار تقریب

سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال کے ہاتھوں ڈیجیٹل پورٹل سسٹم کا افتتاح: سبز جھنڈیاں لہراتے شرکاء کا زبردست جوش وخروش

کویت (محمد عمر) پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک کی طرح کویت میں بھی پاکستان کا 79 واں یوم آزادی انتہائی جوش وخروش سے منایا گیا؛ سبز جھنڈیاں لہراتے پاکستانی تارکین وطن نے کثیر تعداد میں شرکت کی، شرکاء میں خواتین اور بچوں کی کثیر تعداد بھی شامل تھی۔ سفارتخانہ کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، سفیر پاکستان عزت مآب ڈاکٹر ظفر اقبال نے قومی ترانہ کی گونج کے ساتھ سبز ہلالی پرچم فضا میں بلند کیا جس کے بعد ایک مختصر تقریب سفارتخانہ کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی جس کی کمپیئرنگ کے فرائض کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر نے انتہائی احسن طریقہ سے انجام دیئے انہوں نے یوم آزادی پاکستان کے موقعہ پر شرکاء اور کویت میں مقیم پاکستانی کمیونٹی کو مبارکباد پیش کی اور یوم آزادی کے حوالہ سے اظہار خیال کیا۔ تلاوت قرآن کریم کی سعادت سفارتخانہ کے اسٹاف حافظ عامر سلمان نے حاصل کی, سفارتخانہ کے فرسٹ سیکریٹری عابد اللہ نے پاکستان کے 79ویں یوم آزادی کے موقعہ پر صدر آصف علی زرداری، وزیر اعظم میاں شہباز شریف اور وزیر خارجہ اسحاق ڈار کے خصوصی پیغامات پڑھ کر سنائے۔ اس موقعہ پر بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی 150 ویں سالگرہ تقریبات کے حوالہ سے ایک دستاویزی فلم بھی پیش کی گئی۔ سفیر پاکستان نے بچوں کے ہمراہ پاکستان کی یوم آزادی اور قائداعظم کی 150 ویں سالگرہ کا کیک کاٹا ۔ اس موقعہ پر عزت مآب سفیر پاکستان ڈاکٹر ظفر اقبال نے پاکستانی کمیونٹی کی سہولت کیلئے سفارتخانہ کے ڈیجیٹل پورٹل کا افتتاح کیا۔ انہوں نے کہا کہ نئے پورٹل کے ذریعہ کویت میں مقیم پاکستانی شہری گھر بیٹھے متعدد سفارتی اور کمیونٹی سہولیات سے استفادہ کر سکیں گے جبکہ صارفین کی آسانی کیلئے اردو زبان کا آپشن بھی شامل کیا گیا ہے۔ سفیر پاکستان نے ڈیجیٹل پورٹل کی تیاری اور لانچنگ میں کمیونٹی ویلفیئر ونگ کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کمیونٹی ویلفیئر اتاشی حمزہ توقیر اور ان کی ٹیم کی خدمات کی تعریف کی۔ کویت پاکستان دوطرفہ تعلقات کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئےنسفیر پاکستان نے کہا کہ جنگی حالات کے باوجود کویت کیلئے پاکستان کی برآمدات میں نمایاں اضافہ ہوا ہے جو دونوں ممالک کے درمیان مضبوط اقتصادی روابط کی عکاسی کرتا ہے۔ تقریب کے اختتام پر سفیر پاکستان نے شرکاء کے ہمراہ پاکستان زندہ باد اور قائداعظم ندہ باد کے پرجوش نعرے لگائے۔ پاکستان کرسچین سوسائٹی کویت کی طرف سے مقامی نوجوان گلوکار نے دوملی نغمات،، اے وطن پیارے وطن،، اوردل دل پاکستان خوبصورت انداز سے پیش کر کے تقریب کو چار چاند لگا دیئے۔ آخر میں شرکاء کیلئے ریفریشمنٹ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

انقرہ میں پاکستان کا 79 واں یومِ آزادی

نائب صدر ترکیہ کی شرکت، پاک ترک اسٹریٹجک شراکت داری کا نیا باب

تحریر: شبانہ ایاز

پاکستان کے 79ویں یومِ آزادی پر ترکیہ کے دارالحکومت انقرہ میں ہونے والی تقریب محض ایک قومی دن کی رسمی تقریب نہیں رہی بلکہ اس نے پاکستان اور ترکیہ کے درمیان بڑھتی ہوئی اسٹریٹجک قربت اور اعلیٰ سطح کے سیاسی و دفاعی روابط کو بھی نمایاں کر دیا۔ سفارتخانہ پاکستان انقرہ میں 14 اگست کو منعقدہ پروقار پرچم کشائی کی تقریب میں ترکیہ کے نائب صدر جودت یلماز سمیت اعلیٰ ترک حکام، سفارتی شخصیات، سفارتخانے کے افسران، پاکستانی کمیونٹی اور سفارتی برادری کے نمائندوں کی شرکت نے اس تقریب کو غیر معمولی اہمیت دے دی۔ عام طور پر کسی ملک کے قومی دن کی تقریب میں میزبان ملک کی اعلیٰ سیاسی قیادت کی شرکت کو سفارتی حلقوں میں محض رسمی عمل نہیں سمجھا جاتا۔ بالخصوص جب پاکستان اور ترکیہ کے تعلقات پہلے ہی سیاسی، دفاعی اور اسٹریٹجک تعاون کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہے ہوں تو ایسی شرکت اپنے اندر ایک واضح سفارتی پیغام رکھتی ہے۔

نائب صدر جودت یلماز کی شرکت، دوطرفہ تعلقات کا اہم اشارہ

نائب صدر ترکیہ جودت یلماز کی پاکستان کے یومِ آزادی کی تقریب میں شرکت اس بات کا اظہار تھی کہ انقرہ پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات کو کس اہمیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ترکیہ اور پاکستان کے تعلقات کئی دہائیوں پر محیط ہیں، تاہم حالیہ برسوں میں ان تعلقات میں دفاعی تعاون، اعلیٰ سطحی سیاسی رابطوں اور اسٹریٹجک شراکت داری نے نئی جہت اختیار کی ہے۔

انقرہ میں پاکستان کے قومی دن کی تقریب میں نائب صدر کی شرکت اسی وسیع تر تناظر میں دیکھی جانی چاہیے۔

یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ تقریب میں ترک قیادت اور مختلف شعبوں سے وابستہ اہم شخصیات کی موجودگی نے پاکستانی سفارتخانے کی تقریب کو محض پاکستانی کمیونٹی کی سرگرمی کے بجائے ایک اہم سفارتی اجتماع کی شکل دی۔

مکہ دفاعی معاہدے کے بعد نئی اہمیت

پاکستان، سعودی عرب اور ترکیہ کے درمیان بڑھتے ہوئے دفاعی و اسٹریٹجک روابط کے تناظر میں انقرہ کی یہ تقریب مزید اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔

مکہ میں پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان ہونے والے دفاعی تعاون کے معاہدے کے بعد خطے میں پاکستان کے دفاعی تعلقات اور اس کی اسٹریٹجک شراکت داری پر نئی بحث شروع ہوئی ہے۔ ترکیہ پہلے ہی پاکستان کے اہم دفاعی شراکت داروں میں شامل ہے اور دونوں ممالک کے درمیان دفاعی صنعت، تربیت، بحری تعاون، فضائی شعبے اور دفاعی پیداوار سمیت مختلف شعبوں میں تعاون موجود ہے۔

ایسے ماحول میں پاکستان کے قومی دن کی تقریب میں ترکیہ کے نائب صدر کی شرکت کو دونوں ممالک کے درمیان بڑھتے ہوئے اعتماد اور اسٹریٹجک ہم آہنگی کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مکہ دفاعی معاہدے نے اگرچہ بنیادی طور پر پاکستان اور سعودی عرب کے تعلقات کو نئی دفاعی جہت دی

ISSN # : 3080-9746

ہے، تاہم خطے میں موجود دیگر قریبی شراکت داروں، خصوصاً ترکیہ، کے ساتھ پاکستان کے دفاعی روابط بھی اس بدلتے ہوئے علاقائی اسٹریٹجک ماحول میں خصوصی اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کے درمیان مختلف سطحوں پر پیدا ہونے والی قربت کو محض روایتی سفارتی دوستی کے بجائے علاقائی سلامتی، دفاعی تعاون اور اسٹریٹجک شراکت داری کے وسیع تر تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

سبز ہلالی پرچم اور پاک ترک دوستی

تقریب کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا، جس کے بعد قومی ترانہ بجایا گیا اور پاکستان کا سبز ہلالی پرچم سفارتخانے کے احاطے میں سربلند کیا گیا۔

پرچم کشائی کے بعد شرکاء میں قومی جذبہ نمایاں رہا۔ ترکیہ میں پاکستانی پرچم کا بلند ہونا اس تاریخی رشتے کی علامت بھی تھا جو دونوں ممالک کے عوام کے درمیان کئی دہائیوں سے قائم ہے۔ پاکستان اور ترکیہ کے تعلقات کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں سرکاری سفارتی روابط کے ساتھ عوامی جذبات بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترکیہ میں پاکستان کا قومی دن محض ایک سفارتی کیلنڈر ایونٹ نہیں رہتا بلکہ دونوں ممالک کے درمیان برادرانہ تعلقات کے اظہار کا موقع بھی بن جاتا ہے۔

صدر اور وزیر اعظم کے پیغامات

تقریب میں صدرِ پاکستان کا خصوصی پیغام ڈپٹی ہیڈ آف مشن شائق احمد بھٹو جبکہ وزیر اعظم کا پیغام کونسلر عمار امین نے پیش کیا، جن میں بالترتیب قومی اتحاد، ترقی، استحکام اور خوشحالی کے عزم کو اجاگر کیا گیا۔

سفیر یوسف جنید: تعلقات مزید مضبوط بنانے کا عزم

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ترکیہ میں پاکستان کے سفیر ڈاکٹر یوسف جنید نے قائداعظم محمد علی جناح اور تحریکِ پاکستان کے بانیان کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور آزادی، انصاف اور حقِ خودارادیت کے اصولوں سے پاکستان کی وابستگی کا اعادہ کیا۔

سفیر پاکستان نے پاک ترک تعلقات کو بھی خصوصی طور پر اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ دونوں ممالک کے درمیان گہرے اور برادرانہ تعلقات مستقبل میں مزید مضبوط ہوں گے۔

ڈاکٹر یوسف جنید کا یہ پیغام ایسے وقت میں سامنے آیا جب پاکستان اور ترکیہ کے تعلقات دفاعی اور اسٹریٹجک تعاون کے حوالے سے پہلے ہی اہم مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔

قومی دن سے آگے کا سفارتی پیغام

انقرہ میں 14 اگست کی تقریب کو اگر صرف ایک پرچم کشائی کی تقریب سمجھا جائے تو شاید اس کی اصل اہمیت نظر انداز ہو جائے۔ ترکیہ کے نائب صدر کی شرکت، اعلیٰ ترک حکام کی موجودگی، پاکستانی سفیر کا پاک ترک اسٹریٹجک تعلقات پر اعتماد اور خطے میں بدلتے ہوئے دفاعی منظرنامے کو ایک ساتھ رکھا جائے تو تصویر کچھ مختلف دکھائی دیتی ہے۔

پاکستان آج اپنے 79 ویں یومِ آزادی پر صرف اپنے ماضی کو یاد نہیں کر رہا بلکہ ایک ایسے خطے میں اپنی اسٹریٹجک شراکت داریوں کو بھی آگے بڑھا رہا ہے جہاں سلامتی، دفاعی تعاون اور علاقائی توازن پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہو چکے ہیں۔ انقرہ میں پاکستانی پرچم کی سربلندی کے ساتھ ترکیہ کی اعلیٰ قیادت کی موجودگی نے یہ پیغام ضرور دیا کہ پاک ترک دوستی اب محض تاریخی جذبات تک محدود نہیں رہی بلکہ بدلتے ہوئے علاقائی حالات میں اس کے اسٹریٹجک تقاضے بھی تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

اور شاید یہی 14 اگست 2026 کی انقرہ تقریب کا سب سے اہم سفارتی پہلو تھا۔

ISSN # : 3080-9746

قبض۔۔۔۔اُم الامراض

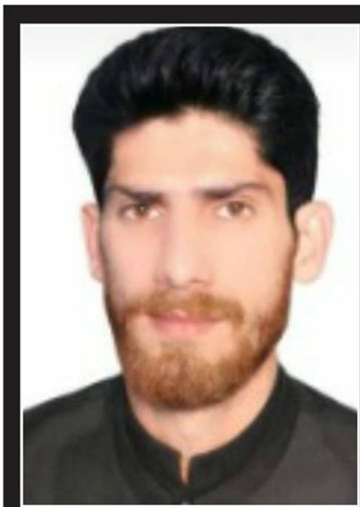

حکیم حارث نسیم سوہدروی

قبض (constipation) کا شماران امراض میں ہوتا ہے جس کا شکار دور حاضر میں بیشتر افراد ہیں اسے عہد جدید کی تہذیب کا تحفہ کہا جاۓ تو زیادہ مناسب اور بجا ہوگا۔اس مرض کے لئے عمر اور جنس کی کوءقید نہیں ہے یعنی ہر عمر اور جنس کے لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں۔

قبض کو ام لامراض کہا جاتا ہے یعنی کہ امراض کی جڑ۔

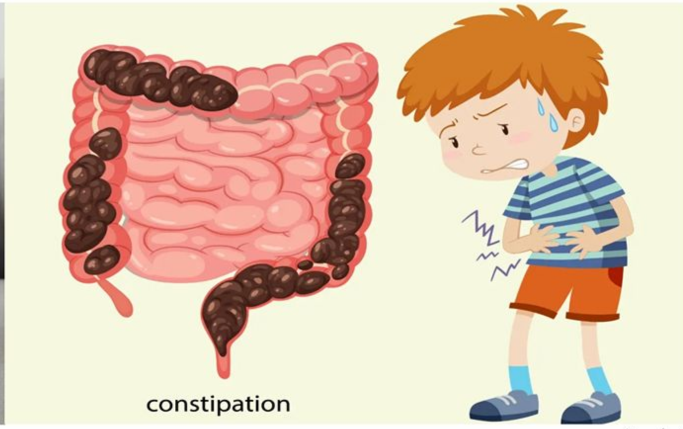

مسلسل قبض ہونے کی صورت میں کءامراض جنم لیتے ہیں۔ چوبیس گنھٹے میں ایک بار اجابت بافراغت نہ ہونے کو قبض کہتے ہیں قبض کی کءاقسام ہیں جن میں اجابت کا وقت پر نہ ہونا، وقت پر اجابت کا بافراغت نہ ہونا، اجابت کا دقت سے ہونا، سخت قسم کا براز خارج ہونا، دودو تین روز اجابت کا نہ ہونا شامل ہیں اگر کسی فرد کو روزانہ بغیر ادویہ کے بروقت اجابت بافراغت ہوتی ہے تو یہ قبض نہ ہونے کی علامت ہے۔

جب ہم روزانہ غذا کا استعمال کرتے ہیں تو منہ کے ذریعے حلق سے نیچے اتر کر معدہ میں جاتی ہے جہاں اس کے ہضم کا عمل شروع ہوتا ہے اور معدہ سے نکل کر چھوٹی انت میں جاتی ہے تو ہضم کا عمل تیز تر ہوجاتا ہے چھوٹی انت اسے مزید قابل ہضم بنا کر اس غذا کا ٹھوس حصہ مزید ہضم کے لئے بڑی انت کو بھیج دیتا ہے جہاں پر یعنی پانی جذب کرکے باقی حصہ فضلہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے جو ہمارے شکم کے بائیں طرف اہستہ اہستہ حرکت کرتا ہے اور قولون (انت) کے ساتھ ساتھ اترنے لگتا ہے یہ سارا عمل ایک مکمل نظام کے تحت ہوتا ہے جس کے بعد بڑی انت کی حرکت سے یہ فضلہ خارج ہوجاتا ہے اس حرکت کو زبان طب میں حرکت دودیہ کہتے ہیں۔ہر فرد میں اس حرکت اور نظام عمل کی رفتار مختلف ہوتی ہے اگر ہضم کا عمل سست ہو اور کسی سبب بڑی انت کی حرکت کم ہو تو اجابت خشک اور سخت ہوسکتی ہے اگر بڑی انت کی حرکت دودیہ جو قدرتی نظام کے تحت فضلہ کے اخراج میں مدد دیتی ہے سست یا بالکل نہ ہو تو اجابت مشکل سے ہوگی یا پھر نہیں ہوگی اس کو قبض کہتے ہیں اگر اس کا مدوا نہ کیا جاۓ تو خطرناک صورت اختیار کرسکتی ہے اور کءدوسرے امراض پیدا ہوکر مسائل صحت کا باعث بن جاتی ہے

جب کسی کو قبض کا عارضہ ہوتا ہے تو طبعیت میں بےچینی، مزاج میں چڑچڑاپن اور سستی ہوجاتی ہے پیٹ میں گرانی ہوتی ہے بعض افراد میں سر درد، دل ڈوبنا(اختلاج قلب) کی شکایت ہوتی ہے بھوک درست طور پر نہیں لگتی بعض لوگ کم درد کی شکایت بھی کرتے ہیں انتوں میں فضلات جمع ہوجانے گیس ریاح پیدا ہوتے ہیں جو خارج نہ ہونے کی صورت طبیعت میں بےچینی پیدا کرتے اور دل پر بوجھ محسوس ہوتا ہے پھر بھوک کم ہوجاتی ہے کیونکہ طبیعت تو اس وقت کھانے کے لئے امادہ ہوگی جب پہلی ہضم شدہ غذا خارج ہوجاۓ گی اور مزید غذا کے داخلے کی جگہ بنے گی

اب سوال یہ ہے کہ قبض کا مرض کیونکر بڑھتا جارہا ہے بعض افراد میں اس کے اسباب انفرادی ہیں یعنی ابتدا میں اجابت کو دبانا یا پھر اجابت کی حاجت پر غفلت کرنا ہوسکتا ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے بڑی وجہ شہری زندگی میں طرز زندگی میں تبدیلی، فطری غذاوں سے دوری ،فاسٹ فوڈ ، جنک فوڈ کا بڑھتا ہوا استعمال، پھلوں سبزیوں کی صورت میں ریشہ(فائبر) کا استعمال کم یا ترک کردینا،فروٹ بن ،کباب، شیر مال، مرغن اور تلی ہوءاشیا کا زیادہ استعمال ہے۔نقص تغذئیہ کے علاوہ بعض عادات یعنی طرز زندگی بھی اس کا سبب ہے جیسا کہ غذاءاوقات میں بدنظمی ،تمبا کو نوشی کا استعمال بکثرت چائے نوشی اور جذبات بھی ہاضمے کے عمل کو متاثر کرتے ہیں جس قبض کا مرض لاحق ہوجاتا ہے اس کے علاوہ جدید مشینی زندگی نے جہاں بڑی اسائشیں فراہم کی ہیں وہاں صحت کے مسائل بھی پیدا کئے ہیں صبح سویرے اٹھنے اور سیر کا رواج ختم ہوگیا ہے ورزش کا فقدان اور پانی کا کم استعمال نے بھی قبض کیمرض کے متاثرین میں اضافہ کیا ہے اج کمپیوٹر کا دور ہے لوگ دن بھر نشست کرتے ہیں۔چلنے پھرنے کا دور گذر گیا ہے۔جس کا نتجہ یہ ہوا ہے کہ انتوں کی حرکت دودیہ جو فضلہ کو باہر دھکیلتی ہے اس کی اخراجی قوت کم ہوجاتی ہے یا ختم ہوجاتی ہے جس قبض کا مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ایک زمانہ تھا بلکہ ابھی کل کی بات ہے کہ بچے اور نوجوان کچی سبزیاں اور پھل کھاتے تھے گلی محلوں اور میدانوں میں کھلیتے تھے مگر اب کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور پھر موبائل پر سوشل میڈیا نے یہ تمام جسمانی سرگرمیاں ختم کردی ہیں غذاء عادات بدل گئیں طرز زندگی بدل گیا گندم کے بھوسی والے اٹا کی جگہ بھوسی کے بغیر فلور ملوں کے میدہ والے نے لے لی ہے اس ارام طلبی اور قدرت سے دوری نے بھی قبض کے مرض میں اضافہ کیا ہے قبض کا مرض بڑھنے سے اور اس کا جو لوگ مدوا نہیں کرتے پھر وہ بواسیر کا شکار ہوجاتے ہیں جو کہ تکلیف دہ مرض ہے۔ صحتی شعور نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اکثر حاملہ خواتین اس مرض کا شکار ہوجاتی ہیں کیونکہ حمل کی صورت ساتویں ماہ کے بعد بچہ دانی کے بوجھ سے انتیں دب جاتی ہیں اور اکثر خواتین قبض کا شکار ہوجاتی ہیں اگر شعور صحت ہو اور اگاہی ہو تو مناسب تدابیر سے بچا جاسکتا ہے۔

قبض کے مرض سے بچاو کے لئے ضروری ہے کہ بچوں کو

ISSN # : 3080-9746

ابتداءعمر سے ہی صحت مند عادات کا شعور پیدا کا جائے۔یعنی اجابت کے لئے وقت مقرر کیا جاے اس حوالے سے والدین پر بھاری اوراہم ذمہ داری ہے طقبض کشاادویہ کااصل کام مرض کو وقتی افاقہ ہوتا ہے کیونکہ مریض کو جو جسمانی اور ذھنی عوارضات ہوتے ہیں ان سے نجات مل جاتی ہےلوگ اسان طریقہ جانکران ادویہ کے عادی ہوجاتے ہیں دوسری ادویہ کی طرح ان کے بھی مضراثرات ہوتے ہیں کیونکہ ان ادویہ کے استعمال سے انتوں میں بل پڑنے سے جسم میں پانی کی کمی ہوجاتی ہے جس کے نتجہ میں انتوں کے ریشوں وعضلات کو نقصان ہوتا ہے دوسری اہم بات یہ ہے کہ قبض کی ادویہ ہمیشہ معالج کے مشورے سے لی جاہیں کیونکہ ہوفرد کے مسائل الگ نوعیت کے ہوتے ہیں ابتدا میں ہلکی تدابیر مثال کے طور پر اٹے کی بھوسی یا بغیر چھنا اٹالیں اور غذا میں پھل سبزیاں ریشہ سمیت ساگ پات،جن میں شلجم،گھیا،توری،ٹینڈا،کدو کریلا اور کھانے کے ساتھ دوپہر کوسلاد ایک پلیٹ کھاہیں تو مسئلہ حل ہوسکتا ہے امرود، گاجریں،مولی اور تمام موسمی پھل فائدہ مند ہیں اگر انتوں کی حرکت دودیہ سست ہوتو ترپھلہ اور ہڑ ہڑ سیاہ کا مربہ مفید تدبیر ہے* قبض سے بچاو کی تدابیر قبض سے مخفوظ رھنے کے لئے اور انتوں کی حرکت درست رکھنے کے لئے ریشہ(فائبر) کا استعمال زیادہ کریں اور اپنی خوراک میں فائبر سپلیمنٹس جو کہ فائبر سے بھر پور ہوں بڑھا دیں۔ *

روزانہ اٹھ دس گلاس پانی پیئیں زیادہ پانی کا پینا اجابت کونرم اور انتوں کی حرکت ارام دہ ہوتی ہے۔

* صبح وشام ہلکی ورزش کریں ورزش سے اعصاب کو طاقت ملتی اور غذا کے اخراج کا عمل تیز ہوتا ہے جس سے انتیں متحرک ہوتی ہیں اوع انتیں کوحرکت درست ہوتی ہے جس سے قبض میں فائدہ ہوتا ہے رات کھانے کے بعد تھوڑی چہل قدمی ضرور کریں۔

*دلیا:

یہ پروٹین کا موثر ذریعہ ہیجو قبض سے مخفوظ رکھنے میں مدد دہتا ہے یہ میگنشیم کا بھی موثر ذریعہ ہے جو کہ قدرتی طور پر قبض دور کرتا ہے بزرگوں کو خاص کر اپنی خوراک میں رکھنا چاھیئے۔

*انجیر: انجیر میں فائبر بہت بڑی مقدار ہوتی ہے یہ خشک پھل نظام ہضم کو درست رکھتا ہے اور حیرت انگیز قبض کشا ہے اس کے چند دانے ہی قبض میں بہت اچھے نتائج دیتے ہیں۔

*سیب:

سیب میں پیکٹین کی بڑی مقدار ہوتی ہیجو انتوں کے نظام کو درست رکھنے۔میں مددگار ہیاس میں دوسرے پھلوں کے مقابل فرکٹوز زیادہ ہوتا ہے

*پودنیہ اور ادرک کی چائے:

پودنیہ اور ادرک میں موثر انزائم ہوتے ہیں جو نظام ہضم کی اصلاح کرتے ہیں اس طرح یہ قبض ختم کرنے میں معاون ہے

*شہد:

شہد قبض دور کرنے کے لئے قدرتی تدبیر ہے یہ انٹی اکسیڈنٹس ہے دودھ میں ملا کر پینا قبض کشا ہے شہد سب سے اعلی صحت بخش غذا بھی ہے اور قبض کشا بھی ہیاس میں میگنشیم انتوں کی حرکت کو درست رکھتا ہے

* قبض کا دواءعلاج

اسپغول دو چمچہ چاے والے نیم گرم دودھ کے ساتھ رات سونے قبل استعمال کرنا بھی مفید ہے

انتوں کی خشکی کی صورت گل قند عصلی چار چمچ رات سونے سے قبل دودھ سیاور روغن بادام ایک چمچہ دودھ سے رات سونے سے قبل پینا موثر تدبیر ہے۔

اگر دوا کی ضرورت ہوتو روزانہ اجابت کھل کرنہ ہونے کی صورت یا دقت سے انے صورت ہمدرد کی گولیاں مفتا ایک عدد تازہ پانی سے رات سونے سے قبل لینا مفید علاج ہے۔

اگر شدید قبض ہو دودو تین تین روز اجابت نہ ہوتی ہوتو قرص ملین ہمدرد دو عدد تاز پانی سے یا اطریفل ملین ایک چمچہ تازہ پانی سے لینا کم از کم دس روز استعمال مفید ہے جبکہ اطریفل زمانی اور اندمالی بھی موثر ادویہ ہیں مگر معالج سے مشورہ مناسب ہوگا۔طب یونانی رمشرقی میں سنا مکی،ہڑڑ،سقمونیا اور ہلیلہ کا صدیوں سے استعمال ہورہا ہے اب تو مغرب میں ان سے ادویہ بن چکی اور استعمال ہوتی ہیں۔

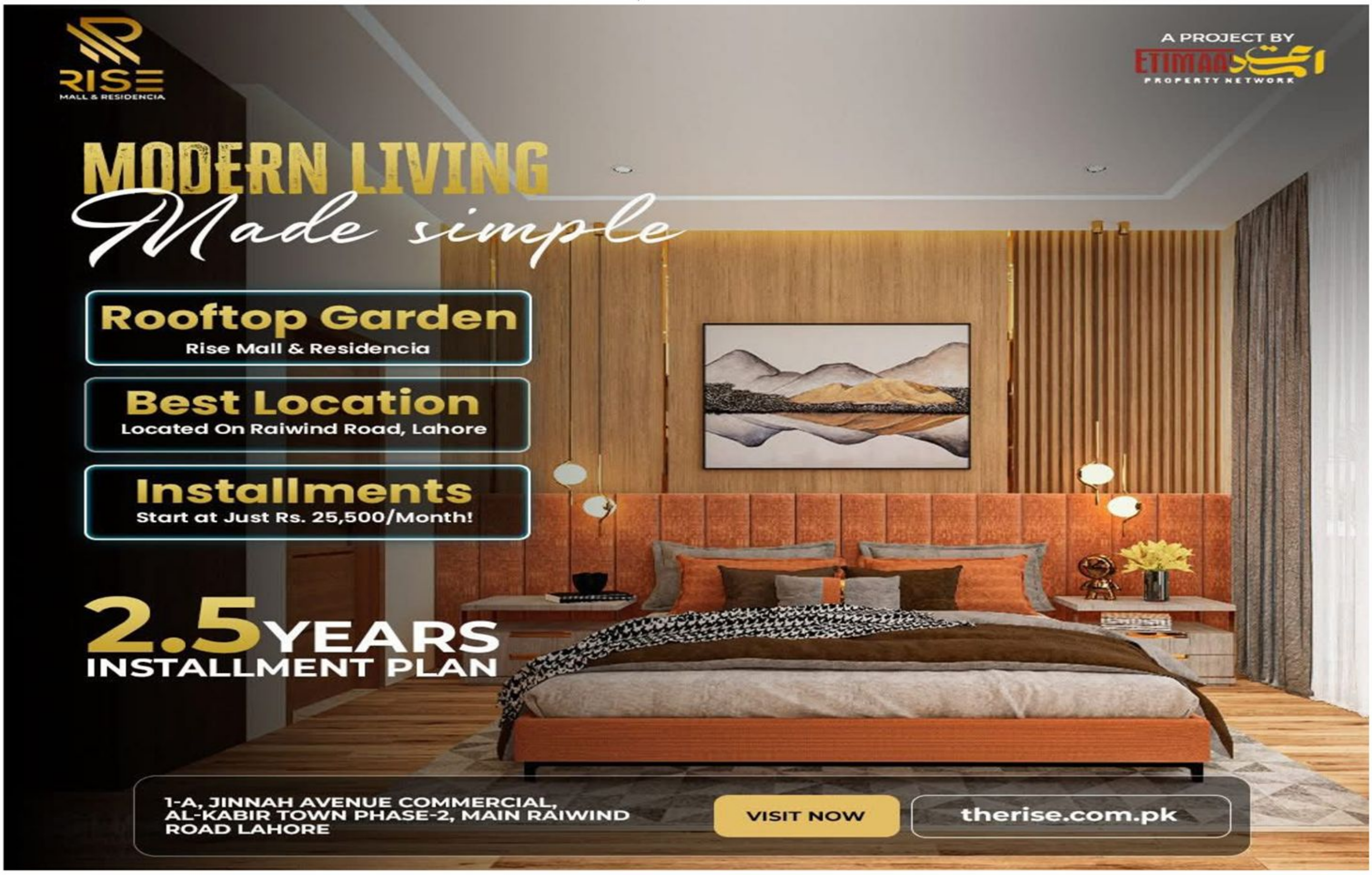

ISSN # : 3080-9746

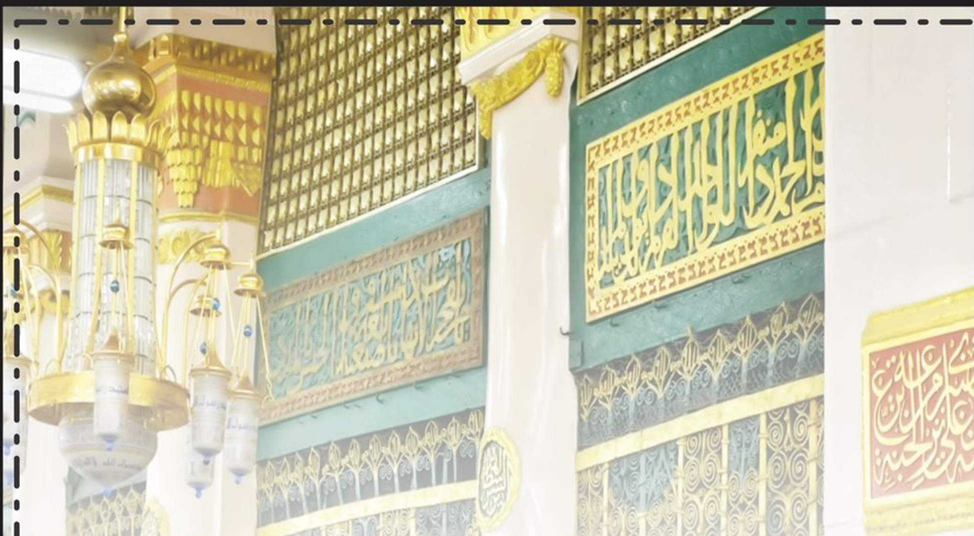

ڈاکٹر مفتی احمد رضا

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: محبت سے اطاعت تک

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ انسانی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جسے محض تاریخ کے ایک عظیم واقعہ کے طور پر نہیں پڑھا جاسکتا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کسی ایک زمانے، کسی ایک خطے یا کسی ایک طبقے کے لیے نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہدایت، رحمت اور رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآنِ مجید نے آپ ﷺ کی شخصیت اور کردار کو ایک جامع جملے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ترجمہ: ”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے“۔ یہ آیت سیرتِ نبوی ﷺ کے پورے تصور کو ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی صرف سننے، بیان کرنے اور عقیدت کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ اختیار کرنے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کے لیے ہے۔

سیرت کا اصل مقصد صرف واقعات کا ذخیرہ جمع کرنا نہیں۔

سیرت کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے کردار، آپ ﷺ کی عبادت، آپ ﷺ کی معاشرت، آپ ﷺ کی تعلیم، آپ ﷺ کی قیادت، آپ ﷺ کے معاملات، آپ ﷺ کے اخلاق، آپ ﷺ کے صبر، آپ ﷺ کی رحمت اور آپ ﷺ کے عدل کو سمجھیں اور پھر اپنی زندگی کے لیے اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ قرآن نے آپ ﷺ کو ”اسوہ“ قرار دیا ہے، اور اسوہ صرف ایسی شخصیت کو نہیں کہتے جسے دیکھا اور سراہا جائے، بلکہ ایسی شخصیت کو کہتے ہیں جسے اپنے لیے نمونہ بنایا جائے۔

ہماری زندگی میں آپ ﷺ کی سیرت کتنی داخل ہوئی ہے۔

اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس محبت کا عملی تقاضا اتباع ہے۔ قرآنِ مجید نے محبت اور اتباع کے تعلق کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا: ترجمہ: یعنی ”اے محبوب! فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔“ اس لیے محبت رسول ﷺ محض جذباتی کیفیت کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا تعلق ہے جو انسان کے عمل، اخلاق اور طرزِ زندگی میں ظاہر ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک عظیم پہلو انسان سازی ہے۔ آپ ﷺ نے صرف لوگوں کو احکام نہیں سنائے بلکہ انسانوں کے کردار تعمیر کیے۔ ایسے افراد تیار کیے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے، دوسروں کے حقوق پہچانتے تھے، امانت اور دیانت کو زندگی کا اصول سمجھتے تھے اور اپنی ذات سے معاشرے کے لیے خیر پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوی تعلیم میں علم اور کردار ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خَیرُ ؟مْ مَنْ تَعلَّمَ الْقُرْآنَ وَعلَّمَ ؟ ”تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے۔“

موجودہ دور میں تعلیم کو اکثر ڈگری، ملازمت، عہدے اور معاشی کامیابی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے، لیکن سیرتِ نبوی ﷺ ہمیں تعلیم کا ایک وسیع تر تصور دیتی ہے۔ علم انسان کو زیادہ باخبر بنانے کے ساتھ ساتھ زیادہ ذمہ دار بھی بنائے، اسے زیادہ باصلاحیت بنانے کے ساتھ زیادہ دیانت دار بھی بنائے اور اسے معاشرے میں صرف کامیاب فرد نہیں بلکہ مفید انسان بنائے۔ یونیورسٹی کا طالب علم اگر اعلیٰ ڈگری حاصل کرلے مگر علمی دیانت سے محروم ہو، تحقیق میں خیانت کرے، دوسروں کے کام کو اپنے نام سے پیش کرے یا اپنے علم کو تکبر کا ذریعہ بنالے تو اس نے علم کی روح کو نہیں سمجھا۔ قرآن کا اصول ہے: ترجمہ: ”بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل تک پہنچاؤ“

رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا ایک سب سے نمایاں پہلو حسنِ اخلاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے اخلاق کی جامع ترین تعبیر یہ فرمائی کہ اَنَ خُلُقُ الْقُرآنَ، یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات آپ ﷺ کی زندگی میں محض الفاظ اور نظریات کی صورت میں نہیں بلکہ عملی کردار کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق، نرم مزاجی اور بہترین معاشرتی کردار کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

آج ہم کامیابی کو عموماً عہدے، دولت، شہرت، ڈگری، اختیار اور معاشی حیثیت سے ناپتے ہیں، لیکن سیرت ہمیں کامیابی کا ایک اور معیار دیتی ہے: انسان کا اخلاق۔ آدمی کتنا ذہین ہے، یہ اہم ہے؛ لیکن وہ کتنا دیانت دار ہے، یہ اس سے زیادہ اہم ہے۔ وہ کتنا ماہر ہے، یہ اہم ہے؛ لیکن اپنی مہارت کو کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے، یہ اس سے زیادہ اہم ہے۔ وہ کتنے لوگوں پر اثر رکھتا ہے، یہ اہم ہے؛ لیکن اس کے اثر سے کتنے لوگوں کو خیر پہنچتی ہے، یہ اصل سوال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ عظمت علم، کردار، خدمت اور تقویٰ کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔

یونیورسٹی کے استاذ کے لیے بھی سیرتِ نبوی ﷺ میں ایک عظیم رہنمائی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود معلم تھے۔ آپ ﷺ نے تعلیم کو محض معلومات کی منتقلی نہیں بنایا بلکہ تربیت کا ذریعہ بنایا۔ آپ ﷺ انسان کے مزاج، استعداد اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ اس لیے استاذ کے لیے سیرت کا پیغام یہ ہے کہ وہ صرف مضمون نہ پڑھائے بلکہ انسان بنائے۔ طالب علم کی غلطی کی اصلاح ضرور کرے، لیکن اس کی شخصیت کو مجروح نہ کرے؛ اس کے علمی سوال کا جواب دے، لیکن اس کے اندر سوال کرنے کی صلاحیت کو قتل نہ کرے؛ اس کے علم میں اضافہ کرے، لیکن اس کے اخلاق کو بھی سنوارے۔ حقیقت یہ ہے کہ استاذ صرف کتاب نہیں پڑھاتا، اپنی شخصیت بھی پڑھاتا ہے۔ طالب علم استاذ کی تقریر سنتا ہے، لیکن اس سے کہیں زیادہ استاذ کا کردار دیکھتا ہے۔ اگر استاذ علم کی بات کرے اور خود دیانت سے محروم ہو تو اس کی تعلیم کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے، اور اگر اس کا علم اس کے اخلاق کے ساتھ جمع ہو جائے تو وہ نسلوں کی تعمیر کرسکتا ہے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

سیرتِ رسول ﷺ کاروباری اور معاشی زندگی کے لیے بھی نہایت جامع رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اسلام نے حلال تجارت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن نبوی تعلیم نے تجارت کو اخلاق سے جدا نہیں کیا۔ کاروبار میں منافع مطلوب ہوسکتا ہے، مگر دھوکا نہیں؛ ترقی مطلوب ہوسکتی ہے، مگر خیانت نہیں؛ مسابقت جائز ہوسکتی ہے، مگر ظلم نہیں۔

آج کے کاروباری انسان کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ کا پیغام یہ ہے کہ تجارت میں سچائی اختیار کی جائے، اشیاء کے عیوب نہ چھپائے جائیں، وعدوں کی پابندی کی جائے، ملازمین کے حقوق ادا کیے جائیں، ناجائز منافع خوری اور دھوکے سے بچا جائے اور حلال وحرام کی حدود کو محض مالی فائدے کے لیے پامال نہ کیا جائے۔ ایک کاروباری شخص کے لیے سب سے بڑی کامیابی یہ نہیں کہ اس کا کاروبار کتنا بڑا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے کاروبار سے کتنے لوگ محفوظ ہیں، کتنے لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ اپنی دولت کس طرح حاصل اور خرچ کرتا ہے۔ سیرت ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ معیشت اخلاق سے خالی ہوجائے تو ترقی کے باوجود معاشرہ اندر سے کمزور ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک اہم پہلو اختلاف کے ساتھ حسنِ سلوک اور معاشرتی حکمت ہے۔ انسانی معاشرہ اختلاف سے خالی نہیں ہوسکتا۔ علمی اختلاف بھی ہوگا، فکری اختلاف بھی ہوگا اور رائے کا اختلاف بھی ہوگا، لیکن اختلاف کو دشمنی، تحقیر اور بدزبانی میں تبدیل کرنا اسلامی اخلاق نہیں۔ قرآن نے رسول اللہ ﷺ کے اسلوبِ قیادت کے بارے میں فرمایا: ترجمہ: ”اللہ کی رحمت ہی کے سبب آپ ان کے لیے نرم ہوگئے۔“ اسی آیت میں مشاورت کا اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مضبوط قیادت سخت مزاجی کا نام نہیں؛ اصول پر قائم رہتے ہوئے حکمت، نرمی، مشاورت اور خیر خواہی اختیار کرنا بھی قیادت کا حصہ ہے۔

یہ اصول آج کی یونیورسٹی، ادارے، خاندان اور معاشرے کے لیے نہایت اہم ہے۔ اختلافِ رائے انسان کی فطرت ہے، مگر اختلافِ رائے کو اختلافِ قلب نہیں بننا چاہیے۔ ہم کسی سے علمی اختلاف کر سکتے ہیں، مگر اس کی عزت برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ہم کسی موقف کی تردید کر سکتے ہیں، مگر انسان کی تحقیر نہیں کر سکتے۔ ہم دلیل میں مضبوط ہوسکتے ہیں، مگر زبان میں مہذب بھی رہ سکتے ہیں۔ یہی نبوی مزاج معاشرے کو انتشار کے بجائے مکالمے اور تصادم کے بجائے اصلاح کی طرف لے جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک بنیادی تعارف قرآن نے یہ بیان کیا: ترجمہ: ”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔“ یہ آیت سیرتِ نبوی ﷺ کے مزاج کو سمجھنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت صرف جذباتی شفقت کا نام نہیں بلکہ انسان کی دینی، اخلاقی، معاشرتی اور انسانی اصلاح کا جامع تصور ہے۔ کمزور کے ساتھ

شفقت، مظلوم کے ساتھ انصاف، محتاج کی مدد، یتیم کا حق، پڑوسی کا خیال، خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک اور معاشرے میں امن کا قیام — یہ سب رحمت کے مظاہر ہیں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے محبت کا ایک عملی ثبوت یہ ہے کہ ہماری ذات سے دوسرے انسان محفوظ اور مطمئن ہوں۔ اگر ہماری زبان لوگوں کو زخمی کرتی ہے، ہمارے معاملات لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، ہماری تجارت دوسروں کا حق کھاتی ہے، ہماری علمی سرگرمی دوسروں کی محنت چراتی ہے اور ہمارے اختیار سے کمزور انسان دب جاتے ہیں تو ہمیں اپنے تعلقِ سیرت پر غور کرنا چاہیے۔ سیرت ہمیں صرف یہ نہیں بتاتی کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کیسے کی جائے، بلکہ یہ بھی سکھاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے ذریعے انسانوں کے لیے خیر کیسے پیدا کی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے قیادت کو ذاتی مفاد، تکبر یا اقتدار کی نمائش نہیں بنایا بلکہ اسے ذمہ داری، عدل، اصلاح اور خدمت کا ذریعہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ سیرتِ رسول ﷺ آج کے ہر قائد کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یونیورسٹی کا سربراہ ہو، استاذ ہو، کاروباری ادارے کا مالک ہو، کسی تنظیم کا ذمہ دار ہو یا گھر کا سربراہ — ہر شخص کسی نہ کسی درجے میں قیادت کر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا اختیار دوسروں کے لیے خوف کا سبب بنتا ہے یا اعتماد کا؟ اس کی موجودگی لوگوں کو دبانے کا باعث بنتی ہے یا ان کی صلاحیتوں کو ابھارتی ہے؟ نبوی قیادت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ اختیار دراصل ذمہ داری ہے اور قیادت کا اعلیٰ ترین مفہوم خدمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو سمجھنے کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں عبادت اور معاشرت، روحانیت اور معاملات، مسجد اور بازار، علم اور عمل، فرد اور معاشرہ ایک دوسرے سے جدا نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے انسان کو ایک مکمل انسان کے طور پر دیکھا۔ اسی لیے آپ ﷺ کی سیرت طالب علم کے لیے بھی رہنمائی ہے، استاذ کے لیے بھی، محقق کے لیے بھی، تاجر کے لیے بھی، والدین کے لیے بھی، قائد کے لیے بھی اور عام انسان کے لیے بھی۔ یہی سیرت کی جامعیت ہے کہ زندگی کا کوئی اہم شعبہ ایسا نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہمارے لیے رہنمائی کا سرچشمہ نہ ہو۔

ہمیں سیرت کے مطالعہ کو صرف ربیع الاول کے چند دنوں تک محدود نہیں کرنا چاہیے۔ ربیع الاول محبت کو تازہ کرنے کا موقع ضرور ہے، مگر سیرت کا تعلق پورے سال اور پوری زندگی سے ہے۔ میلاد ہمیں محبت کی یاد دلاتا ہے، سیرت ہمیں اس محبت کا شعور دیتی ہے اور سنت اس محبت کو عمل میں تبدیل کرتی ہے۔ اگر میلاد کے بعد ہماری نماز بہتر ہوجائے، ہمارے اخلاق بہتر ہوجائیں، ہماری گفتگو میں نرمی آجائے، ہمارے معاملات میں دیانت پیدا ہوجائے، ہماری تجارت میں حلال وحرام کی تمیز مضبوط ہوجائے، ہماری علمی زندگی میں امانت پیدا ہوجائے، ہمارے اختلاف میں تہذیب آجائے اور ہماری معاشرت میں رحمت پیدا ہوجائے تو یہی سیرتِ رسول ﷺ کا حقیقی اثر ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کتنا جانتے ہیں، اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہماری زندگی میں کتنی موجود ہے؟ کیا ہماری عبادت میں آپ ﷺ کی سنت ہے؟ کیا ہمارے اخلاق میں آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں؟ کیا ہماری تعلیم میں آپ ﷺ کی امانت ہے؟ کیا ہماری تحقیق میں آپ ﷺ کی دیانت ہے؟ کیا ہماری تجارت میں آپ ﷺ کی صداقت ہے؟ کیا ہماری قیادت میں آپ ﷺ کی رحمت ہے؟ کیا ہمارے اختلاف میں آپ ﷺ کی حکمت ہے؟ اور کیا ہمارے گھروں میں آپ ﷺ کا حسنِ معاشرت موجود ہے؟

رسول اللہ ﷺ ہماری گفتگو کا موضوع ہونے کے ساتھ ہماری زندگی کا نمونہ بھی بنیں۔ ہماری محبت صرف زبان پر نہ ہو بلکہ ہمارے کردار میں نظر آئے؛ ہماری عقیدت صرف جذبات میں نہ ہو بلکہ ہمارے معاملات میں ظاہر ہو؛۔ قرآن کا فیصلہ ہمارے سامنے ہے۔ ترجمہ: پس رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہمارے لیے ماضی کی داستان نہیں، حال کی رہنمائی اور مستقبل کی تعمیر کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے، آپ ﷺ کے ادب کو ہمارے دلوں میں قائم رکھے، آپ ﷺ کی سنت کو ہماری زندگیوں کا حصہ بنائے، ہمارے علم کو نافع، ہمارے اخلاق کو پاکیزہ، ہمارے معاملات کو دیانت دار، ہماری تجارت کو حلال، ہماری قیادت کو عادل اور ہماری معاشرت کو رحمت والا بنائے، اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو رسول اللہ ﷺ کو صرف محبت سے یاد نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ کے اسو حسنہ کو اپنی زندگی میں اختیار بھی کرتے ہیں۔

ISSN # : 3080-9746

نصف صدی کی کمزور ترین پاکستانی کرکٹ ٹیم، ذمہ دار کون؟

پاکستانی کرکٹ ٹیم پستی کی آخری حد تک پہنچ گئی

رپورٹ: محمد عمر

بیرون ملک 16 میں سے 15 ٹیسٹ ہارنے کے بعد بھی محسن نقوی اور عاقب جاوید عہدے چھوڑنے کو تیار نہیں 1976 میں جب پاکستان کے تمام سینئر کھلاڑی عمران خان۔ ظہیر عباس، ماجد خان، مشتاق محمد، آصف اقبال کیری پیکر میں شمولیت کے باعث قومی ٹیم کیلئے دستیاب نہ تھے تو نئے کھلاڑیوں پر مشتمل ایک ٹیم کو وسیم باری کی قیادت میں انگلینڈ بھیجا گیا تھا اس ٹیم کو پہلے دونوں ٹیسٹ میں اننگز سے شکست ہوئی جبکہ تیسرا ٹیسٹ بارش کے باعث ڈرا ہوگیا، اس کے بعد 1982 میں پاکستانی ٹیم نے عمران خان کی قیادت میں انگلینڈ کا دورہ کیا، ناقص ایمپائرنگ کے باعث پاکستانی ٹیم سیریز تو ہار گئی مگر لارڈز کی تاریخی فتح سے پاکستانی ٹیم کا وقار بلند ہوا جس میں محسن خان کی ڈبل سنچری اور مدثر نذر کی 6 وکٹیں آج بھی شائقین کو یاد ہیں، اس کے بعد پاکستانی ٹیم کے عروج کا زمانہ شروع ہوا اور پاکستان نے 1987، 1992 اور 1996 میں انگلینڈ میں مسلسل تین سیریز جیت لیں،

2000 میں دو ٹیسٹ پر مشتمل سیریز 1_1 سے برابر ہو گئی، 2006 اور 2010 کی سیریز پاکستان 3 صفر اور 3 صفر سے ہار گیا۔ 2016 میں پاکستانی ٹیم نے مصباح الحق کی قیادت میں انگلینڈ کا دورہ کیا اور سیریز 2_2 سے برابر ہوگئی، 2018 میں سرفراز احمد کی قیادت میں پاکستانی ٹیم نے انگلینڈ کا دورہ کیا اور سیریز 1_1 سے برابر رہی، 2020 میں پاکستانی ٹیم نے اظہر علی کی قیادت میں انگلینڈ کا دورہ کیا , پہلا ٹیسٹ جیت کر پاکستانی ٹیم سیریز جیت سکتی تھی مگر اظہر علی کی ناقص کپتانی اور خراب فیلڈنگ نے ایسا نہ ہونے دیا اور انگلینڈ نے تین وکٹ سے ٹیسٹ جیت کر سیریز بھی جیت لی، تاریخ میں پہلی مرتبہ پاکستانی ٹیم انگلینڈ میں وائٹ واش ہونے جا رہی ہے جس کے بعد کیا ہوگا، سارا ملبہ کپتان پہ ڈال کر اس کو تبدیل کر دیا جائے گا مگر ٹیم کو اس پست ترین سطح پر پہچانے والوں محسن نقوی چیئر مین پی سی بی اور عاقب جاوید چیف سلیکٹر کو کچھ بھی نہیں کہا جائے گا۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم ٹیسٹ کھیلنے والے مما لک میں سب سے نچلی پوزیشن پر پہنچ چکی ہے اس سے نیچے کوئی پوزیشن ہے نہیں ورنہ اس کیلئے بھی کوشش کر لی

جاتی، جو ٹیم بنگلہ دیش سے ہوم سیریز میں وائٹ واش ہو چکی ہو اس سے توقع کرنا فضول ہے کہ وہ انگلینڈ، آسٹریلیا میں جا کر کوئی ٹیسٹ ڈرا بھی کر لے گی، وہ زمانہ خواب لگتا ہے جب پاکستانی کرکٹ ٹیم آسٹریلیا، انگلینڈ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز نیوزی لینڈ کی ٹیموں کو ان کے ہوم گراونڈز پہ ہرا دیا کرتی تھی، پاکستان میں کرکٹ کا اسی طرح جنازہ نکل چکا ہے جیسے ہاکی اور اسکواش جیسی کھیلوں کے نکل چکے ہیں، ہاکی میں پاکستانی ٹیم ورلڈ کپ کیلئے کوالیفائی بھی نہیں کر پاتی , جہانگیر خان اور جان شیر کے زمانہ میں اسکواش کی پہلی دونوں پوزیشنیں پاکستان کی ہوتی تھیں، اب پہلی 100 پوزیشن میں بھی پاکستان کا کوئی کھلاڑی موجود نہیں , پاکستانی ٹیم اسی طرح ہارتی رہی تو انٹرنیشنل ٹیمیں پاکستان کے ساتھ کھیلنا ہی چھوڑ دینگی، جس ٹیم کا لیول پی ٹیسٹ کرکٹ والا نہیں اس کے۔ ساتھ ٹیسٹ کون کھیلے گا، بہت جلد پاکستانی ٹیم بھی آئرلینڈ، افغانستان اور زمبابوے کی طرح صرف وائٹ بال کرکٹ ہی کھیلا کرے گی۔ یہ کارنامہ محسن نقوی اور عاقب جاوید انجام دیں گے۔

www.barjastatv.com
ISSN # : 3080-9746

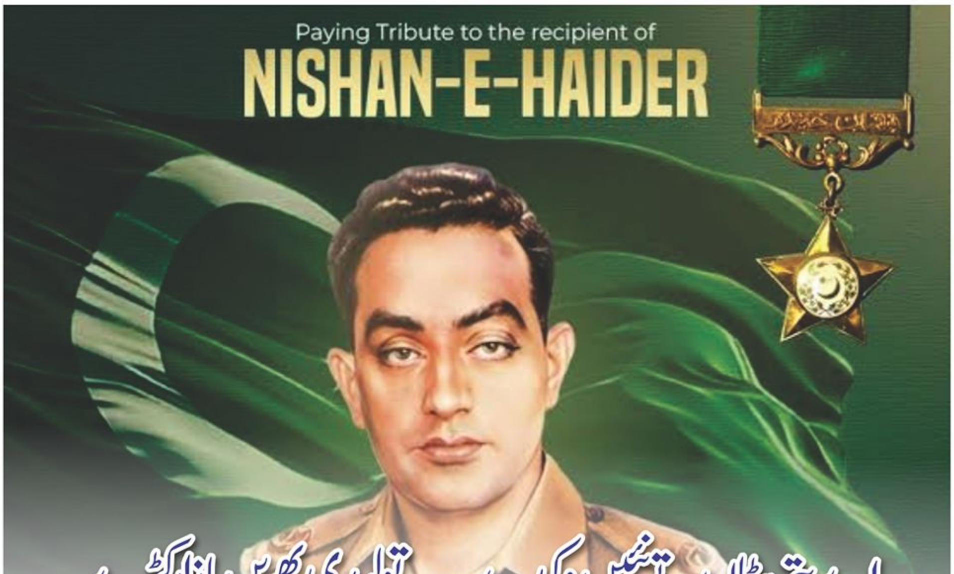

اے پتر ہٹاں تے نئیں وکدے۔۔۔تولبدی پھریں بازار کڑے

راجہ عزیز بھٹی شہید۔۔۔نشان حیدر

ایک شہید کی داستان جس نے دشمن کی لاہور جمخانہ میں چائے کی حسرت خاک میں ملادی 6 ستمبر 1965 کے ہیرو کی زندگی پر بنائی جانے والی خوبصورت ٹیلی فلم

رپورٹ: محمد عمر

پاکستان کے ناظرین کی حسرت رہی ہے کہ قومی ہیروز کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے فلمز اور ڈرامے تیار کئے جائیں، پڑوسی ملک فلموں کے ذریعہ پروپیگنڈہ کرنے میں بہت آگے نکل چکا ہے، سنی دیول کے گھر کا کچن ہی پاکستان مخالف فلموں سے چل رہا ہے, اب اس دوڑ میں اکشے کھنہ اور دیگر چھوٹے موٹے فنکار بھی شامل ہو گئے ہیں, پاکستانی فلمساز تو مولا جٹ سے آگے نہیں بڑھ سکے، پاکستان ٹیلی ویژن بے 3 دھائیاں قبل نشان حیدر حاصل کرنے والے پاکستانی ہیروز کی زندگیوں پر مبنی ٹیلی فلمز پیش کی تھیں جن میں میجر طفیل، کیپٹن سرور، راشد منہاس اور راجہ عزیز بھٹی کی زندگیوں پر بنائی جانے والی ٹیلی فلمز بہت پسند کی گئی تھیں، آج ہم پاکستان کے 61 ویں ہوم دفاع کے موقعہ پر میجر راجہ عزیز بھٹی کی زندگی پر بنائی جانے والی فلم کا ذکر کریں گے۔ پی ٹی وی پر پیش کی جانے والی اس فلم کو اصغر ندیم سید نے تحریر کیا تھا جبکہ سلیم احمد نے ہدایات دی تھیں، میجر عزیز بھٹی کا مرکزی کردار ناصر شیرازی نے ادا کیا تھا جبکہ ان کی اہلیہ کا کردار فرخندہ نے نبھایا تھا، ناصر شیرازی کا انتخاب غالبا اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ حیران کن حد تک میجر عزیز بھٹی شہید سے مشابہت رکھتے تھے، دیکھنے والوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے سامنے راجہ عزیز بھٹی شہید کی ہی فلم چل رہی تھی، پی ٹی وی اور ہدایت کار کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیئے کہ اس نے ٹیلی فلم کی شوٹنگ لاہور میں بیدیاں کے علاقہ میں اور یجنل مقامات پر کی جس سے حقیقت کا سماں پیدا ہو گیا، تاریخ کو دہراتے ہوئے زندہ دلان لاہور کا جذبہ دکھایا گیا جو لاٹھیاں اور ڈنڈے اٹھا کر جنگ میں شرکت کیلئے نکل آئے تھے، بہنوں اور بیٹیوں نے اپنے زیور نکال کر دفاع کیلئے پیش کر دیئے تھے، زخمیوں کیلئے خون کے عطیات کی اپیل پر اتنا خون جمع ہو گیا تھا کہ ان کو سٹور کرنے کیلئے جگہ نہیں رہی تھی، اس فلم میں یہ تمام مناظر دیکھ کر انسان ماضی میں کھو جاتا ہے، یوم دفاع کو 61 برس بیت چکے ہیں، ایسے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں جو جنگ 65 کے موقعہ پر شعور کی حالت میں موجود تھے، نئی نسل کو اس جذبہ سے روشناس کرانے کیلئے اس ٹیلی فلم کو ہر سال آن ائیر کرنا چاہیئے۔ ہدایت کار نے بڑی خوبصورتی سے جنگ 65 میں پیش کئے جانے والے ملی نغمات

اے پتر ہٹاں تے نئین وکدے
ساتھیو مجاہدو جاگ اٹھا ہے سارا وطن
رنگ لائے گا شہیدوں کا لہو

فلم میں شامل کئے ہیں کہ دیکھنے والے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور بے ساختہ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں، 6 ستمبر 1965 سے 11 ستمبر 1965 تک راجہ عزیز بھٹی نے جس طرح بیدیاں میں پاکستانی سرحد کا دفاع کیا اور دشمن

کے لاہور جمخانہ میں چائے پینے کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا، کمانڈر افسر کے بار بار کہنے کے باوجود میجر عزیز بھٹی آرام کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے، آخر میں جب دشمن بالکل سامنے تھا تو اس جانباز نے مورچہ میں چھپنے کی بجائے سامنے آکر وطن کا دفاع کیا اور 6 دن مسلسل حالت جنگ میں رہنے کے بعد جام شہادت نوش کر لیا جس کے ساتھ ملکہ ترنم کے ترانے کے بول نا قابل بیان کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

علی تمہاری شجاعت پہ جھومتے ہونگے
حسین پاک نے بانہوں میں لے لیا ہو گا
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں
اے راہ حق کے شہیدو وفا کی تصویرو

فلم میں راجہ عزیز بھٹی کا کردار کرنے والے فنکار ناصر شیرازی کو ہر ایوارڈ دینا چاہیے تھا۔ یہ ٹیلی فلم ان لوگوں کی برین واشنگ کر سکتی ہے جو ایوب خان، یحیی خان، ضیا الحق اور پرومشرف کو ناپسند کرنے کے باعث فوج کے بارے میں منفی تاثر قائم کر لیتے ہیں ان کی غلطیوں میں وطن کے ان سپوتوں کا کوئی قصور نہیں جو ہر وقت شہادت کی تمنا لے کر ملک کے چپے چپے کی حفاظت کرتے ہیں۔

میجر عزیز بھٹی کے مزار کو دیکھ کر آنکھیں بھیگ جاتی ہیں کہ اس میں قوم کا ایک بہادر سپوت سو رہا ہے جس نے اپنے بچوں کے یتیم ہونے کی پرواہ نہ کی اور اپنی قوم کے ہزاروں بچوں کو یتیم ہونے سے بچا لیا۔

تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں۔

ISSN # : 3080-9746

ISSN # : 3080-9746